

# عظمتِ علم و علماء

روز

میوناصداق حسنا قاضی خیر آبادی

استاذ جامعہ حقانیہ اسلامیہ کھٹور سورت

ناشر

بزمِ حقیقتانی

جامعہ حقانیہ اسلامیہ کھٹور سورت گجرات

---

بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً (الحديث)

# عظمتِ علم و علماء

## مرتب

مولانا صادق صاحب قاسمی خیر آبادی  
(استاذ جامعہ حقانیہ اسلامیہ کٹھور سورت گجرات)

## ناشر

بزمِ حقانی جامعہ حقانیہ اسلامیہ کٹھور، سورت، گجرات

پن کوڈ ۳۹۴۱۵۰



نام کتاب: عظمتِ علم و علماء  
مرتب: مولانا صادق صاحب قاسمی خیر آبادی زید مجرہ  
زیر اہتمام: مولانا عمر فاروق صاحب قاسمی کاوی  
ناشر: بزمِ حقانی، جامعہ حقانیہ اسلامیہ کٹھور  
کمپوزنگ: طلبہِ عمری ششم ۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء  
سیٹنگ: مولانا بدر عالم صاحب قاسمی مدھوبنی  
سن اشاعت: ۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء

## ملنے کے پتے

مکتبہ یوسفیہ جامعہ حقانیہ کٹھور، سورت، گجرات۔

پن کوڈ: ۳۹۴۱۵۰

فون نمبر: ۹۹۰۴۰۷۲۸۶۶

مکتبہ یوسفیہ دیوبند، سہارنپور، یوپی

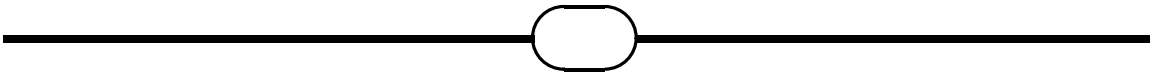


# فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	تقریظ: پیر طریقت حضرت مولانا قاری رشید احمد صاحب اجمیری شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ راندیر، سورت	۷
۲	اپنی بات.....	۹
۳	علم دین کی فضیلت و اہمیت	۱۲
۴	علم دین کی طلب و تحصیل ہر مسلمان پر فرض ہے	۱۵
۵	علم دین کے لیے سفر کرنے کی فضیلت	۱۷
۶	”تفقه فی الدین“ باعث خیر ہے	۲۱
۷	انسانی خوبیوں میں نکھار علم دین ہی سے آتا ہے	۲۳
۸	طالب علم: مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح ہے	۲۵
۹	علم دین کا طلب کرنا کفارہ سیئات ہے	۲۶
۱۰	علم دین میں مشغول رہنے والوں کو جنت کی بشارت	۲۶
۱۱	امام ابو یوسف کا واقعہ	۲۸
۱۲	تفقه فی الدین؛ نفاق سے براءت کی علامت ہے	۲۹
۱۳	دین کا عالم و معلم قابل رشک ہے	۳۰
۱۴	علم نافع کا اجر و ثواب موت کے بعد بھی منقطع نہیں ہوتا	۳۲

۱۵	مجلسِ علمِ دین کی فضیلت	۳۴
۱۶	ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے	۳۶
۱۷	طلبِ علم ایک خوش آئند اقدام ہے	۳۷
۱۸	علم و حکمت کی بات مؤمن کا گم شدہ سرمایہ ہے	۳۹
۱۹	علمِ دین کے بنیادی ستون	۴۲
۲۰	علمِ دین کا طالب کبھی شکم سیر نہیں ہوتا	۴۵
۲۱	علم سیکھ کر نشر و اشاعت کرنے والا قیامت کے دن امیر کی شکل میں آئے گا	۴۷
۲۲	چالیس حدیث امت تک پہنچانے والے کی فضیلت	۵۰
۲۳	طالبِ علم اور طالبِ دین کی تین قسمیں	۵۲
۲۴	احیاءِ اسلام کے لیے طلبِ علم کی فضیلت	۵۶
۲۵	طالبانِ علمِ دین کے بارے میں صحابہؓ کو ایک وصیت	۵۷
۲۶	اغراضِ فاسدہ کے لیے علم حاصل کرنے والے کے بارے میں وعید	۵۹
۲۷	علماءِ حق سے مجادلہ اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے علم حاصل کرنا موجبِ جہنم ہے	۶۲
۲۸	علمِ دین کو دنیا طلبی کا سبب بنانا اپنی ناقدری اور علم کی بے حرمتی ہے	۶۴
۲۹	علماءِ دین کو امراء کے پاس آمد و رفت سے گریز کرنا چاہیے	۶۷
۳۰	علم کی آفت اور اضاعت کا بیان	۷۱

۷۳	۳۱	علماء کے عوامی تعلق کی نوعیت
۷۵	۳۲	کتمانِ علم پر وعیدِ شدید
۷۸	۳۳	بغیر علم کے فتویٰ دینا گناہِ عظیم
۸۰	۳۴	اصل دین پیش کرنے والے ہر زمانے میں پیدا ہوتے رہیں گے
۸۴	۳۵	عوام میں وہی علمی باتیں بیان کی جائیں جو مفید ہوں
۸۷	۳۶	بُروں میں سب سے بدترین بدکردار علماء ہیں
۹۰	۳۷	ریاکار قرآن اور علماء کے بارے میں وعید
۹۴	۳۸	خود کو بڑا عالم سمجھنے سے گریز کرنا چاہیے
۹۷	۳۹	علم پر عمل نہ کرنا علم کو اٹھا دینا ہے
۱۰۰	۴۰	علم دین زیادہ سے زیادہ پھیلانے کا حکم
۱۰۳	۴۱	علم سے فائدہ نہ اٹھانے کا انجام
۱۰۶	۴۲	حدیث سن کر دوسروں تک پہنچانے والے کے حق میں آپ ﷺ کی دعا
۱۰۹	۴۳	قرآن کریم میں جھگڑنا کفر ہے
۱۱۳	۴۴	واعظ و ناصح کے لیے اہم ہدایت



## تقریظ

پیر طریقت حضرت مولانا قاری رشید احمد صاحب اجمیری  
دامت برکاتہم شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ راندیر سورت  
اربعینات یعنی چہل حدیث جمع کرنے اور امت تک پہنچانے کا  
حضرات علماء و محدثین کرام کا ہر زمانے میں معمول رہا ہے۔ ابن حجر عسقلانی  
اور شاہ ولی اللہ صاحب حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب جیسے اساطین  
امت نے اربعینات مختلف موضوعات کو سامنے رکھ کر تحریر فرمائیں۔

بقیہ شریف میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت سے جس میں  
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس احادیث یاد کرنے والے کو شفاعت رسول کا وعدہ  
فرمایا گیا ہے۔ اس امید کو سامنے رکھ کر محدثین نے مختلف اربعینات جمع  
فرمائی ہیں اسی بنیاد پر حضرت مولانا صادق صاحب نے علم دین کے  
موضوع کو سامنے رکھ کر صادق و مصدوق علیہ السلام کے چالیس ارشادات جمع  
فرمائے ہیں، حفظ کرنے والوں کے ساتھ جمع کر کے امت تک پہنچانے  
والے بھی اس میں داخل ہیں۔

احادیث تحریر فرمائی تو حوالہ جات بھی درج فرمائے ہیں نہایت  
سلیس اور آسان ترجمہ بھی ارقام فرمایا ہے اور ہر حدیث شریف کی  
مناسب تشریح بھی فرمادی ہے، تاکہ طالب کو اور قاری کو اس سلسلے میں  
تشنگی کا احساس نہ رہے، جستہ جستہ مقامات پر نظر ڈالنے کے بعد دل



مطمئن ہوا کہ یہ تالیف ان شاء اللہ مستفیدین کے لیے مفید و نافع رہے گی اللہ تعالیٰ مؤلف کو جزاءِ خیر عطا فرمائے اور قارئین کو اس سے استفادہ کی سعادت حاصل ہو۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

احقر العباد:

(حضرت مولانا قاری) رشید احمد جمیری

(شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ راندیر)

۳/۳/۲۰۱۰ء

باسمہ تعالیٰ

## اپنی بات.....

مشکوٰۃ شریف کا مطالعہ کرنے کے دوران، جب رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث مبارک (مَنْ حَفِظَ عَلَى أُمَّتِي أَرْبَعِينَ حَدِيثًا فِي أَمْرِ دِينِهَا بَعَثَهُ اللَّهُ فَقِيهًا وَكُنْتُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَافِعًا وَشَهِيدًا) نظر سے گزری تو فوراً من جانب اللہ دل کے اندر یہ داعیہ پیدا ہوا کہ کیوں نہ رسول اللہ ﷺ کی اس بشارتِ عظمیٰ کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے اور اکابرین امت کی تقلید کرتے ہوئے عظمتِ علم و علما سے متعلق چالیس احادیث کا مجموعہ مع ترجمہ و مختصر تشریح آسان اور سہل انداز میں ترتیب دے کر عوام الناس کی نفع رسانی کی غرض سے منظرِ عام پر لایا جائے ممکن ہے اللہ رب العزت اپنے فضل و کرم سے اس معمولی عمل کے طفیل میں نبی اکرم ﷺ کی عظیم بشارت سے نواز دے کیوں کہ مؤمن کے لیے اس سے بڑھ کر سعادت کیا ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مقدس میدانِ محشر میں شفاعت کی ذمہ داری لے لے اور اس کے ایمان کی گواہی دے کر ابدی کامیابی سے ہم کنار کر دے اور اتنی عظیم کامیابی صرف چالیس احادیث یاد کر کے یا صفحہ قرطاس پر تحریر کر کے لوگوں تک پہنچانے پر موقوف ہے اگر دیکھا جائے تو یہ لہو لگا کر شہیدوں میں نام لکھوانے کے مترادف ہے، چنانچہ اپنی کم علمی اور ناقص استعداد کے باوجود محض اللہ کی توفیق سے ”السَّعْيُ مِنَّا وَالْإِتْمَامُ إِلَى اللَّهِ“ کو پیش نظر رکھتے

ہوئے متعدد کتابوں کی مراجعت کی مدد سے ترتیب دینا شروع کر دیا اور شدہ شدہ علم و علما سے متعلق چالیس احادیث کا مجموعہ مع ترجمہ و تشریح بحمد اللہ پایہ تکمیل کو پہنچ گیا۔

اس موقع پر میں اپنے کرم فرما برادرِ مکرم مولانا بدر عالم صاحب قاسمی مدھوبنی استاذ جامعہ حقانیہ اسلامیہ اور ان طلبہ عزیز کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرنا اپنے لیے دینی اور اخلاقی فریضہ سمجھتا ہوں جنہوں نے نہایت ہی عرق ریزی اور مخلصانہ جذبے کے ساتھ بذریعہ کمپیوٹر کتابت کی اہم ذمہ داری نبھا کر احسانِ عظیم سے گراں بار کیا ہے، خصوصاً مولانا بدر عالم صاحب نے تو تحریری غلطیوں کی تصحیح کرتے ہوئے کتاب کو آراستہ و پیراستہ کر کے منظر عام پر لانے کے لیے ہر ممکن کوشش کا مظاہرہ کیا ہے، اللہ رب العزت ان تمام مخلصین کو علم نافع کی توفیق عطا فرما کر اپنی شایانِ شان اجرِ جزیل مرحمت فرمائے۔ (آمین)

نیز میں اپنے ان عزیزوں کے حق میں بھی بارگاہِ ایزدی میں دعا گو ہوں، جنہوں نے کتاب کی اشاعت و طباعت کے لیے مالی تعاون پیش فرما کر، غیر معمولی حوصلہ افزائی کی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان عزیزوں کو ہر طرح کے شر و فتن سے محفوظ فرما کر دنیا و آخرت کی تمام ترقیات سے نوازے۔ (آمین)

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں اس اہم موقع پر اپنے مشفق والدین اور اساتذہ کرام کا تذکرہ نہ کروں، جن کی للہیت پر مبنی تعلیم و تربیت اور پیہم توجہات اور مستجاب دعاؤں کے باعث مجھ جیسے حقیر بندہ خدا کو یہ کتاب ترتیب دینے کی سعادت حاصل ہوئی اللہ تعالیٰ ان نفوسِ قدسیہ کے تمام جائز مقاصد کی تکمیل

فرما کر اپنی رضا سے نوازے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ (آمین)

آخر میں قارئین و ناظرین سے درخواست ہے کہ ”الانسان مرکب من الخطا والنسیان“ کے پیش نظر احادیث مبارکہ کے ترجمہ و تشریح میں اگر کہیں غلطی اور سہو نظر آئے تو برائے کرم ناچیز کو مطلع فرمادیں، تاکہ آئندہ اس کی تصحیح ہو سکے۔ ان شاء اللہ اس پر بھی عند اللہ ماجور ہوں گے۔

اللہ مجھے اور تمام حضرات کو اس کتاب سے مکمل نفع اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے اور تمام معاونین کو بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

صادق قاسمی خیر آبادی

خادم: جامعہ حقانیہ اسلامیہ

کٹھور، سورت، گجرات

۲۹ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ

بروز سہ شنبہ

Mob.09714264003/ 09889028796

# بسم اللہ الرحمن الرحیم

## علم دین کی فضیلت اور اہمیت

﴿فضیلتِ علم کے متعلق اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ ارشاد﴾

يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ  
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ. (القرآن الکریم)

﴿ترجمہ﴾ تم میں سے، جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ صاحب علم ہیں، اللہ

تعالیٰ ان کے درجات کو بلند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے باخبر ہے۔

﴿تشریح﴾ اس آیت میں پہلے رفع درجات عام مؤمنین کے لیے

ثابت کیا گیا، جس میں اہل علم بھی شامل ہیں، پھر عموم کے بعد خاص طور پر

اصحاب علم کو ذکر کیا گیا، جو ان کی فضیلت و اہمیت کی واضح دلیل ہے۔ یہ بات

بھی واضح رہے کہ یہاں پر علم سے مراد علم دین ہے اور قرآن و حدیث

میں جہاں جہاں علم کا تذکرہ آیا ہے، اس کا اطلاق اسی علم دین پر ہوتا ہے،

جس کی تعلیم کی غرض سے حضرت جبریلؑ نے آپ ﷺ کی خدمت میں بحکم

الہی آیا کرتے تھے اور اسی علم دین کی طلب؛ ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض

ہے، کیونکہ اللہ کے کسی نبی و رسول پر ایمان لانے کے بعد آدمی پر سب سے

پہلے یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ یہ معلوم کرنے کی کوشش کرے کہ میرے لیے

یہ پیغمبر کیا تعلیم و ہدایت لیکر آئے ہیں، کیونکہ امور دینیہ کی بنیاد اسی علم پر ہوتی

ہے، اسی وجہ سے اس کا سیکھنا اور سکھانا ایمان کے بعد سب سے پہلا فرض قرار

دیا گیا ہے۔ اب یہ تعلیم و تعلم زبانی بات چیت اور مشاہدے سے بھی ہو سکتا ہے، جیسا کہ عہد نبوی ﷺ اور آپ ﷺ کے بعد قریبی دور میں تھا، بل کہ صحابہ کرام کا سارا علم وہی تھا، جو ان کو خود براہ راست رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سننے اور آپ ﷺ کے افعال و اعمال کے مشاہدہ کرنے سے حاصل ہوا تھا اور اکثر تابعین کا علم بھی وہی تھا، جو ان کو صحابہ کرام کی صحبت اور سماع سے حاصل ہوا تھا۔ اسی طرح یہ علم دینِ نوشت و خواند اور کتابوں کے ذریعہ بھی حاصل ہو سکتا ہے، جیسا کہ بعد کے زمانوں سے لے کر اب تک علمِ دین کے حصول کا عام ذریعہ کتابوں کا پڑھنا، پڑھانا ہی ہے۔ الغرض رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات میں بقدرِ ضرورت علمِ دین کو حاصل کرنا، ہر صاحبِ ایمان کے لیے فرض و واجب قرار دیا ہے اور اس علم کو حاصل کرنے کے لیے پیش آنے والی محنت و مشقت کو ایک طرح کا جہاد فی سبیل اللہ بتلایا ہے اور اس سلسلے میں غفلت و بے پرواہی کو قابلِ تعزیر جرم قرار دیا ہے اور یہی وہ علم ہے، جو انبیا اور خاص کر رسول اللہ ﷺ کی میراث اور پوری کائنات کی سبب سے قیمتی اور عزیز دولت ہے۔ لہذا جو خوش نصیب بندے، اس علم کو حاصل کرتے ہیں اور اس کا حق ادا کرتے ہیں، وہ بلاشبہ فرمانِ نبوی کے مطابق، وارثینِ انبیا ہیں۔ یہی وہ پاکیزہ اور مقدس ترین علم ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر محمد عربی ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے: ”قُلْ رَبِّي زِدْنِي عِلْمًا“ ”کہہ دیجیے کہ اے میرے پروردگار! مجھے زیادہ علم عطا فرما!“ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے علم میں اضافہ کو طلب کرنے کا حکم فرمایا۔ ظاہر ہے،

اللہ جل شانہ سے کسی چیز کی زیادتی کی طلب اسی وقت کی جائے گی جب وہ چیز فضیلت کی حامل ہو یہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ آیت میں نبی کریم ﷺ کو از دیا دِ علم طلب کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے کمالات سے نوازا تھا اور جتنا علم ضروری تھا، وہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہلے ہی عطا کر دیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم ایک ایسا سمندر ہے، جس کا کنارہ ناپید ہے۔ زیادت فی العلم ایسی چیز ہے، جس کی کوئی منزل نہیں ہے۔ انسان علم کے کتنے ہی بڑے اور اونچے مقام پر پہنچ جائے، لیکن پھر بھی اسکو اضافہ علم کی طلب ہونی چاہئے، کیونکہ علم میں قناعت نہیں ہے بل کہ مال میں قناعت ہے لہذا طالبانِ علومِ نبوت کو چاہیے کہ حصولِ علم میں بھرپور ذوق و شوق کا مظاہرہ کریں اور تاحیات حصولِ علم کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیں، لیکن یہ بھی یاد رہے کہ علمی برتری اور فضیلت اسی وقت نفع بخش ہوگی، جب اس کی تحصیل میں نیت صحیح ہو اور اس کے ذریعہ سے رضائے الہی مطلوب ہو اور حاصل شدہ علم، عمل کے ساتھ مقرون ہو، کیونکہ اگر نیت خالصۃً لوجہ اللہ نہ ہو یا نیت تو صحیح ہو، لیکن عمل علم کے مطابق نہ ہو، تو ایسا علم وبالِ جان بن جاتا ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ علم دودھاری تلوار ہے، اگر آدمی اس کو صحیح استعمال کرتا ہے، تو وہ اس کو جنت میں پہونچا دیگا اور اگر علم کا استعمال غلط ہے، تو جہنم کا موجب بن سکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ علم کی حقیقت صرف جان لینا نہیں ہے، اگرچہ تعریف کے اعتبار سے اس پر علم کی تعریف صادق آجائے، لیکن حقیقت اور روح کے اعتبار سے اس وقت تک علم نہیں، جب تک کہ اس کے ساتھ عمل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ

ہم سب کو عالم باعمل بنائے۔ (آمین)

علم دین کی طلب و تحصیل ہر مسلمان پر فرض ہے

﴿۱﴾ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ. (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ، مَشْكُوتَةً)

﴿ترجمہ﴾ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ علم دین کی تحصیل و طلب ہر مسلمان پر فرض ہے۔

﴿تشریح﴾ جو علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، اس سے مراد ایمانی اور دینی فرائض و ضروریات کا وہ علم، جس سے خالی رہ کر کوئی مسلمان اپنے ایمان، اپنے دین اور اپنی آخرت کو نہیں پاسکتا۔ مثلاً ایک شخص نیا نیا مسلمان ہوتا ہے، اب اس کے لیے لازم ہے کہ سب سے پہلے یہ جان لے کہ اس کا خالق کون ہے؟ اس کا رب حقیقی اور معبودِ برحق کون ہے؟ اس کی صفات کیا ہیں؟ اس کا رسول اور نبی کون ہے؟ اور دوسری اور کیا کیا چیزیں ہیں؟ جن کے جانے بغیر کسی کا ایمان صحیح نہیں ہوتا، چنانچہ اگر کوئی شخص ان باتوں سے جاہل ہے اور اس کے باوجود اپنے آپ کو مؤمن و مسلمان کہتا ہے، تو چاہے، دنیا والوں کی نظر میں وہ مؤمن و مسلمان کہلائے، لیکن حقیقت میں اس کو مؤمن و مسلمان نہیں کہا جاسکتا، کیوں کہ اس کو ایمان و اسلام کی اساسی اور بنیادی باتوں کا علم ہی نہیں ہے۔ اس لیے ہر مسلم و مؤمن پر پہلا



فرض یہ ہے کہ وہ بقدرِ ضرورت اسلامی علوم حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اس حدیث کا یہی مدعی اور پیغام ہے۔ بہر حال حدیث کا یہ بھی مطلب نہیں ہے کہ ہر مسلمان پر عالم و فاضل بننا فرض ہے، بل کہ مقصد صرف یہ ہے کہ، جس شخص کو اسلامی زندگی گزارنے کے لیے جتنے علوم و احکام کی ضرورت ہے، ان کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ مختصراً اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایسے تمام امور، جن کی ادائے گی کو انسان پر فرض قرار دیا گیا ہے، ان کا علم حاصل کرنا فرض ہے۔ اسی طرح امور واجبہ کا علم حاصل کرنا واجب ہے اور امور مسنونہ و مندوبہ کا علم حاصل کرنا مسنون و مستحب ہے اور قرآن و سنت کے جملہ علوم کی تحصیل اور ان میں کمال پیدا کرنا فرض کفایہ ہے، فرض عین نہیں۔

آج کل اسکولوں اور کالجوں میں جو دنیوی علوم و فنون سکھائے جاتے ہیں وہ مطلوب علم نہیں یعنی ان کو فرض عین نہیں کہا جائے گا، البتہ ان میں سے بعض علوم فرض کفایہ یا جواز کے درجہ میں آسکتے ہیں، اگر وہ مخلوقِ خداوندی کے فائدے کے لیے درکار ہوں اور خلافِ شرع امور پر مشتمل نہ ہوں، لیکن جو علوم و فنون ایسے امور پر مشتمل ہوں، جن کی شریعتِ اسلامیہ میں گنجائش ہی نہیں، تو ان کا حاصل کرنا ممنوع اور ناجائز ہوگا۔ یہاں یہ بات بھی معلوم ہونی چاہیے کہ یہی حدیث بعض کتابوں میں ”کل مسلم“ کے بعد ”مسلمۃ“ کے اضافہ کے ساتھ نقل کی گئی ہے، لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ اس حدیث میں ”مسلمۃ“ کا اضافہ ثابت اور صحیح نہیں، البتہ لفظ ”مسلم“ معنوی حیثیت سے ہر مسلمان مرد و عورت کو شامل ہے۔

## علم دین کے لیے سفر کرنے کی فضیلت

﴿۲﴾ عَنْ قَيْسِ بْنِ كَثِيرٍ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا مَعَ أَبِي

الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ فِي مَسْجِدِ دِمَشْقٍ فَجَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا أَبَى الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ إِنِّي جِئْتُكَ مِنْ مَدِينَةِ الرَّسُولِ ﷺ لِحَدِيثٍ بَلَغَنِي أَنَّكَ تُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مَا جِئْتُ لِحَاجَةٍ، قَالَ: فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَطْلُبُ فِيهِ عِلْمًا سَلَكَ اللَّهُ بِهِ طَرِيقًا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ وَأَنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أجنحتها رِضَى لِطَالِبِ الْعِلْمِ وَأَنَّ الْعَالِمَ يَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالْحَيَّاتِ فِي جَوْفِ الْمَاءِ وَأَنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ وَأَنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ وَأَنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُورَثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَأَنَّمَا وَرَثَتُوا الْعِلْمَ فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحِظٍّ وَافٍ. (رواه احمد والترمذي وابوداود وابن ماجه والدارمي، مشكوة)

﴿ترجمہ﴾ حضرت کثیر بن قیس تابعی بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی مجلس میں دمشق کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک صاحب ان کے پاس آئے اور بولے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے مقدس شہر مدینہ منورہ سے چل کر آپ کی خدمت میں ایک حدیث کی خاطر آیا ہوں، جس کے بارے میں مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ وہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں۔ اس کے سوا میری آمد کا کچھ مقصد نہیں ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے

فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص (دین کا تھوڑا یا بہت) علم حاصل کرنے کے لیے کوئی (طویل یا مختصر) راہ مسافرت اختیار کرتا ہے، تو اس شخص کو اللہ تعالیٰ جنت کے راستوں میں سے ایک راستہ پر چلائے گا اور اس شخص کی خوشنودی کے لیے (بطور اعزاز و اکرام) فرشتے اپنے پر پھیلا دیتے ہیں اور جو عالم دین ہے، تو اس کے حق میں بلاشبہ آسمان کی مخلوق (تمام فرشتے) اور زمین کی ساری مخلوق (تمام انسان و جنات وغیرہ) اور پانی میں مچھلیاں تک اس کے لیے مغفرت کی دعا کرتی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسا کہ چودہویں رات کے چاند کو تمام تاروں پر برتری اور فوقیت حاصل ہے اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ علماء دین انبیا کے وارث ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ انبیا اپنی میراث دینار و درہم (اور کسی دنیاوی مال و اسباب) کی صورت میں چھوڑ کر نہیں جاتے، وہ تو اپنا ورثہ صرف علم دین کی صورت میں چھوڑ کر جاتے ہیں۔ لہذا جس نے علم دین کو حاصل کر لیا، اس نے پورا حصہ پالیا۔

﴿تشریح﴾ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ طلب علم کے لیے سفر کی مشقتیں اور صعوبتیں برداشت کرنا بھی فضیلت کا سبب ہے۔ لہذا طالب علم دین کو چاہیے کہ دورانِ تعلیم پیش آنیوالی تکالیف کو بخوشی برداشت کرے اور ظاہر ہے کہ طلب علم میں جتنی مشقتیں زیادہ اٹھانی پڑیں گی، اتنا ہی ثواب میں اضافہ بھی ہوگا اور جنت کی راہیں اللہ تعالیٰ آسان فرمادیں گے۔

اس حدیث میں طلب علم کے لیے سفر کرنے کا صرف ایک واقعہ نقل کیا

گیا، حالاں کہ صحابہ اور تابعین کے اس طرح کے واقعات بکثرت منقول ہیں۔ لہذا کتنے خوش نصیب ہیں وہ طالب علم جو علم دین حاصل کرنے کے لئے قریب یا بعید کا سفر طے کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی اس عظیم بشارت کا مصداق بنتے ہیں، حتیٰ کہ ملائکہ جیسی معصوم مخلوق ان کی فضیلت و عظمت کے پیش نظر اپنا بازو پھیلا کر خوشنودی کی طلب گار بن جاتی ہے اور غیبی طور پر ان کی مدد و خدمت کرتے رہتے ہیں اور حصول علم دین کی برکت سے اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کی ساری مخلوقات کو ان کے حق میں دعائے مغفرت کے لیے مشغول کر دیتا ہے، خواہ وہ ذوی العقول ہوں یا غیر ذوی العقول۔ حدیث میں ساری مخلوقات کو ذکر کرنے کے بعد مچھلیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، جب کہ تمام مخلوقات میں مچھلیاں خود بخود آ جاتی ہیں، لیکن ان کا الگ سے تذکرہ کر کے دراصل ایک اہم نکتہ کی طرف اشارہ کرنا ہے اور وہ یہ ہے کہ بارش کا برسنا اور اس سے بے شمار حاصل ہونے والی آسائیاں اور راحتیں یہ سب علماء دین ہی کی برکت کا طفیل ہے، یہاں تک کہ پانی کے اندر موجود مچھلیوں کا زندہ رہنا بھی علماء دین ہی کی برکت سے ہے اس لئے مچھلیاں بھی اپنی بقا کے لئے طالبانِ علومِ نبوت کے حق میں دعائیں کرتی رہتی ہیں۔ اسی طرح مذکورہ حدیث کے اندر عالم کو عابد کے اوپر برتری اور فضیلت دی گئی ہے، کیونکہ عالم کے علم کا فائدہ متعدی ہوتا ہے؛ یعنی اس کا علم صرف اسی کے لئے مفید نہیں ہے، بل کہ دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاتا ہے۔ مثلاً تذکیر و تدریس، تصنیف و تالیف اور دیگر ذرائع سے اپنے دینی علوم و معارف کو دنیا والوں تک منتقل کرتا

رہتا ہے، برخلاف صرف عبادت گزار کے، تو اس کی عبادات کا ثمرہ اس کی ذات ہی پر مرتب ہوتا ہے، چنانچہ اسی حقیقت کو مزید آشکارہ کرنے کے لیے عالم و عابد کے لئے چودھویں رات کے چاند اور تاروں کی تشبیہ اختیار فرمائی گئی ہے کہ جس طرح چودھویں رات کے چاند کی روشنی خود اس کی ذات تک محدود نہ رہ کر غیر محدود طور سے پوری دنیا میں پہنچتی ہے۔ اسی طرح عالم دین کے علم کا فائدہ؛ صرف اس کی ذات تک محدود و منحصر نہ رہ کر نہ معلوم کتنے لوگوں تک پہنچتا ہے، لیکن چاند کے برعکس تاروں کی روشنیاں، بس ان کی ذات ہی تک منحصر رہتی ہیں، کسی اور جگہ تک ان کی روشنی نہیں جاتی، اسی طرح عابد کی عبادات کا فائدہ، بس اس کی ذات ہی تک رہتا ہے، دوسروں تک متعدی نہیں ہوتا ہے۔ شرح السنہ میں مشہور محدث حضرت سفیان ثوریؒ سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں آج تک کوئی ایسی چیز نہیں جانتا ہوں کہ جو علم دین کی طلب سے افضل ہو، یہ سن کر لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت آج کل لوگ علم دین کی طلب و تحصیل میں لگے ہوئے ہیں، لیکن ان کی نیتیں صحیح کہاں ہیں؛ یعنی علم دین کے طلب میں، جس جذبہ صدق اور خلوص نیت کی ضرورت ہے، اس کا اثر ان لوگوں سے تو کچھ ظاہر ہوتا نہیں ہے؟ جواب میں حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا کہ ان لوگوں کا حصول علم دین میں لگنا ان کی نیتوں کی اصلاح کا ذریعہ ہے؛ یعنی جو علم وہ حاصل کر رہے ہیں، اس کی برکت سے نیت خود درست ہو جاتی ہے۔ اسی بنیاد پر بعض علماء دین کا یہ کہنا تھا؛ پہلے تو ہم اللہ کے سوا اور غرض کے واسطے علم کی تحصیل و طلب میں لگے

ہوئے تھے، مگر بعد میں ہمارا علم صرف اللہ ﷻ کے لیے ہو کر رہ گیا، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ علم دین کی تحصیل و طلب میں لگنا نفلی عبادتوں میں مشغول ہونے سے بہتر ہے، کیوں کہ اس طلب علم کا درجہ یا تو فرض عین ہوگا یا فرض کفایہ اور ظاہر ہے کہ فرض خواہ عین ہو یا کفایہ بہر حال نفل سے افضل ہے۔

”إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ الْخ“ رسول اللہ ﷺ نے علماء کو انبیا کا وارث قرار دیا اور ساتھ ہی یہ بھی واضح فرمادیا کہ انبیا کی میراث دنیاوی مال و دولت نہیں ہوا کرتی کہ لوگ اس کو حاصل کرنے کی جدوجہد کریں، کیوں کہ دنیا اور اس کی تمام اشیاء زوال پذیر ہیں، بل کہ ان کی میراث تو علم ہے، جو بندوں کی ہدایت کے لیے اللہ ﷻ کی طرف سے ان کو عطا کیا گیا۔ لہذا انبیا کا صحیح وارث اور نائب درحقیقت وہی شخص کہلانے کا مستحق ہوگا، جو ان کی لائی ہوئی تعلیمات و ہدایات پر عمل پیرا رہے اور ان کی علمی میراث کو مکمل طور پر حاصل کرنے کی فکر میں لگا رہے، چنانچہ جو جس قدر علوم نبوت کو اخذ کرے گا، اسی اعتبار سے وہ انبیا کا وارث قرار پائے گا۔

”تفقه فی الدین“ باعث خیر ہے

﴿۳﴾ عَنْ مُعَاوِيَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ وَإِنَّمَا آنَا قَاسِمٌ وَاللَّهُ يُعْطِي . (متفق علیہ، مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کو بھلائی پہنچانا چاہتے ہیں، تو اس کو دین میں سمجھ پیدا

فرماتے ہیں اور حقیقت تو یہ ہے کہ میں بانٹتا ہوں اور دینے والا تو صرف اللہ ہے۔

﴿تشریح﴾ ”تفقه فی الدین“ کا مطلب ہے کہ تعلیم دین میں اس درک اور مہارت کا حاصل ہونا، جو کتاب و سنت میں حق شناسی کے جوہر کا مالک بنادے اور شرعی احکام و مسائل کی بنیادی حقیقتوں سے روشناس کرائے اور یہ چیز صرف اکتساب سے حاصل نہیں ہو سکتی، بل کہ اسی کو حاصل ہوگی، جس کے اوپر اللہ تعالیٰ شرعی علوم کے دروازے کھول دے۔ لہذا فقہی بصیرت کے حصول کی اللہ سے دعائیں کرتے رہنا چاہئے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس کو دینی امور کی سوجھ بوجھ نہ ہو؛ یعنی اسلام کے اصول و فروع سے ناواقف ہو، تو وہ خیر سے محروم ہے۔ بعض روایت میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ جس نے ”تفقه فی الدین“ حاصل نہیں کیا، اللہ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ آپ ﷺ کے اس ارشاد سے علماء کی فضیلت تمام لوگوں پر اور علم فقہ کی فضیلت تمام علوم پر بالکل ظاہر و باہر ہے۔ ”إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللَّهُ يُعْطِي“ کا مطلب یہ ہے کہ میرا (آپ ﷺ) کام تو صرف اتنا ہے کہ میں تمہارے سامنے دین و شریعت کے احکام و مسائل پیش کر دوں، بقیہ ان احکام و مسائل میں صحیح طور پر فہم و ادراک اچھے انداز سے غور و فکر اور ان پر عمل کی توفیق کا میسر ہونا، اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ جس کو جتنا چاہے، عطا فرمائے، کیوں کہ حقیقی معطی، تو اللہ ہی ہے، البتہ عطا کرنے کے لیے واسطہ مجھے بنایا ہے۔ اس لیے میں تمہارے درمیان تقسیم کرتا ہوں۔



انسانی خوبیوں میں نکھار علم دین ہی سے آتا ہے

﴿۴﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ

اللَّهِ ﷺ النَّاسُ مَعَادِنٌ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذْ فَقَهُوْا. (رواہ مسلم، مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی کان ہیں، جیسے سونے اور چاندی کی کانیں ہوتیں ہیں،

ان میں کے جو لوگ زمانہ جاہلیت میں اچھے مانے جاتے تھے۔ وہ زمانہ اسلام میں بھی ان میں کے اچھے لوگ ہیں، بہ شرطیکہ وہ دین کا علم حاصل کر لیں۔

﴿تشریح﴾ آدمی کان ہیں؛ یعنی جس طرح زمین کے نیچے چھپی ہوئی

کانیں اپنی نوعیت و حیثیت کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہیں کہ کسی کان سے لعل و یاقوت اور جواہر برآمد ہوتے ہیں، تو کسی کان سے سونا چاندی اور کسی کان سے تانبہ یا لوہا نکلتا ہے، اسی طرح اخلاق، خصائل اور اوصاف کے اعتبار سے انسان بھی کانوں کے مانند مختلف اور متفاوت ہوتے ہیں۔

ان کے وہ لوگ، جو زمانہ جاہلیت میں اچھے مانے جاتے تھے

۔۔۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کفر و شرک کی حالت میں بھی

اعلیٰ انسانی خصوصیات و اوصاف اور ارفع نسب و حسب رکھنے کے سبب

معاشرے میں اچھے شمار ہوتے تھے، مثلاً کوئی شجاعت و بلند ہمتی کا وصف رکھتا

تھا، کسی کے اندر سخاوت و فیاضی پائی جاتی تھی، کسی کے اندر باہمی محبت و موانست

اور ہمدردی کا جذبہ زیادہ تھا، کوئی شخص صادق القول اور امانت داری



میں امتیازی شان رکھتا تھا، تو اسلام لانے کے بعد، اب اسلامی معاشرے میں بھی مذکورہ اوصاف و خصوصیات کی وجہ سے دوسرے لوگوں کے مقابلے میں ممتاز سمجھا جائے گا بہ شرطیکہ علم دین حاصل کر کے اپنی عملی زندگی دین کے سانچے میں ڈھال لیا ہو، کیوں کہ، جس طرح لعل و یاقوت اور سونے چاندی جیسی قیمتی معدنیات کا معاملہ ہوتا ہے کی جب تک وہ زمین میں چھپے ہوتے ہیں اور ان کو نکال کر مٹی وغیرہ کی آمیزش سے ان کو صاف شفاف نہیں بنایا جاتا اور تپا پگھلا کر روشن اور چمکدار نہیں کیا جاتا، اس وقت تک ان کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کی اصل قیمت لگتی ہے، اسی طرح جو شخص کفر و شرک کی حالت میں اچھے اوصاف و خصائل اور انسانی خوبیوں کا حامل ہوتا ہے، تو اس کی تمام خوبیاں کفر و شرک کے اندھیرے میں چھپی رہتی ہیں۔ لہذا جب وہ کفر و شرک کے اندھیرے سے نکل کر نور اسلام کو قبول کر لیتا ہے، علم دین حاصل کر کے حقیقت شناس اور حق آشنا بن جاتا ہے، دین پر مکمل طور پر عمل کرتا ہے اور عبادت و ریاضت کی بھٹی میں اخلاص کے ساتھ تپتا اور پگھلتا ہے، تو گناہ و معصیت کی آلائش سے پاک و منزہ ہو کر خالص ہو جاتا ہے اور دینی علوم و معرفت کا نور اس کی تمام خوبیوں کو نکھار دیتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ علم دین کے بغیر انسان کی تمام صلاحیتیں اور خوبیاں ناکارہ اور بے قیمت ہیں۔ اس حدیث سے ان حضرات کو عبرت حاصل کرنا چاہیے، جو دینی علوم کو پس پشت ڈال کر؛ صرف دنیوی علوم و فنون میں عروج حاصل کرنے کے لیے تنگ و دو کرتے رہتے ہیں۔ یقیناً ایسے لوگ اخروی اعتبار سے بالکل

خسارہ میں ہیں، گرچہ دنیاوی اعتبار سے کامیاب ترین قرار دیئے جائیں!

## طالب علم: مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح ہے

﴿۵﴾ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَرَجَ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ حَتَّى يَرْجِعَ. (رواه الترمذی والدارمی، مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص علم دین کی طلب و تحصیل میں نکلا، تو جب تک واپس نہ آجائے، اللہ کی راہ میں ہے۔

﴿تشریح﴾ مطلب یہ ہے کہ جو شخص شرعی علوم حاصل کرنے کے لیے اپنے گھر سے نکلا، خواہ وہ علوم فرض عین ہوں یا فرض کفایہ، تو ایسے شخص کو وہی ثواب ملتا ہے، جو اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے مجاہد کو ملتا ہے، کیوں کہ طالب علم بھی دین کو پھیلانے، شیطان کو ذلیل کرنے، اور اپنے نفس کو مارنے کے لیے گھر سے نکلتا ہے اور مسافرت کی ساری صعوبتیں اسی طرح جھیلتا ہے، جس طرح مجاہد اعلیٰ کلمۃ اللہ کے لیے، لہذا وہ اس وقت تک مجاہد فی سبیل اللہ کا ثواب پاتا رہتا ہے، جب تک اپنے گھر واپس نہ آجائے۔ حدیث شریف کے الفاظ ”جب تک کہ وہ واپس نہ آجائے۔۔۔۔۔“ اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ طالب علم دین، جب تک علم کی تحصیل و طلب میں لگا رہتا ہے، تب تک، تو وہ مجاہد کا ثواب پاتا ہے، لیکن جب تحصیل علم سے فراغت پا کر عالم دین بن جاتا ہے، تو اس سے بھی بڑا درجہ پاتا ہے، کیوں کہ اب وہ اس

مقام پر فائز ہو جاتا ہے جو اس کو دین کی تعلیم اور ترویج اور ناقصوں کو کامل بنانے کے عوض میں انبیاء کا وارث بنادینے والا ہے۔

## علم دین کا طلب کرنا کفارہ سیئات ہے

﴿۶﴾ عَنْ سَخْبَرَةَ الْأَزْدِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:

مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ كَانَ كَفَّارَةً لِمَا مَضَى. (رواه الترمذی و الدارمی)

﴿ترجمہ﴾ حضرت سخرہ ازدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا کہ جس شخص نے دین کا علم حاصل کیا، تو وہ (اس کا علم حاصل کرنا) اس کے ان صغیرہ گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا، جو ماضی میں ہوئے تھے۔

﴿تشریح﴾ مطلب یہ ہے کہ جس نے علم دین، عمل کی نیت سے حاصل

کیا، تو اس کا یہ علم حاصل کرنا ماضی کے صغیرہ گناہوں کو زائل کر دے گا، بظاہر کفارہ مختص ہے صغائر کیساتھ، لیکن ممکن ہے کہ حدیث کا یہ مفہوم ہو کہ اللہ تعالیٰ صغائر اور

کبائر دونوں طرح کے گناہوں کو معاف فرمادیں، بایں طور کہ صغائر خود بخود معاف ہو جائیں اور علم دین کی برکت سے اللہ کبائر سے توبہ کی توفیق مرحمت فرمادیں اور علم

دین کی فضیلت کے پیش نظر اللہ کی ذاتِ کریمی سے یہ کوئی بعید نہیں ہے۔

## علم دین میں مشغول رہنے والوں کو جنت کی بشارت

﴿۷﴾ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ

اللَّهِ ﷺ: لَنْ يَشْبَعَ الْمُؤْمِنُ مِنْ خَيْرٍ يَسْمَعُهُ حَتَّى يَكُونَ مُنْتَهَاهُ

الْجَنَّةُ (رواه الترمذی، المشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے

ارشاد فرمایا کہ مؤمن کا پیٹ خیر کی باتیں (یعنی علمِ دین حاصل کرنے سے) سننے سے کبھی نہیں بھرتا، یہاں تک کہ جنت ہی اس کی منتہا ہوتی ہے۔

﴿تشریح﴾ مطلب یہ ہے کہ جس مؤمنِ کامل کو اللہ تعالیٰ حصولِ علم

کے راستے پر لگا دیتا ہے اور علومِ دینیہ کی خدمت کی توفیق اس کو عطا فرما دیتا ہے، تو وہ پھر ساری عمر علم کی طلب میں سرگرداں رہتا ہے۔ زیادتی علم کا جذبہ کبھی بھی اس کی طلب کی تکمیل اور اس کی جستجو کی تسکین نہیں کر پاتا، یہاں تک کہ علم کی تلاش و جستجو میں وہ اپنا عرصہ حیات مکمل کر کے اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے اور اس کی برکت سے جنت کا مستحق بن جاتا ہے۔ لہذا اگر دیکھا جائے، تو یہ حدیث طالبانِ علمِ دین کے لیے عظیم بشارت کا درجہ رکھتی ہے کہ وہ انشاء اللہ اس دنیا سے با ایمان رخصت ہوتے ہیں اور حسنِ خاتمہ سے نوازے جاتے چناں چہ بعض اہل اللہ کے بارے میں منقول ہے کہ، وہ اسی بشارت کی بنا پر ساری زندگی طالبِ علم بنے رہے اور علوم و فنون کے بہت سے میدانوں میں فضل و کمال حاصل کر لینے کے باوجود عمر کے آخری حصہ تک تحصیلِ علم میں مشغول رہے تاکہ اس درجہ کو پالیں، جس کی بشارت اس حدیث میں موجود ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ ”أُطْلُبُوا الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ إِلَى اللَّحْدِ“، اگرچہ یہ روایت حدیث کے لحاظ سے تو موضوع ہے، لیکن معنی کے اعتبار سے صحیح ہے۔ لہذا طالبِ علم کو ایسا ہی ہونا چاہیے کہ مہد (گود) سے لیکر لحد (قبر) تک اس کی طلبِ علم کبھی ختم نہ ہو۔

## امام ابو یوسفؒ کا واقعہ

امام ابو یوسفؒ کا قصہ ہے کہ مرضِ وفات میں لوگ ان کی عیادت کے لیے گئے، تو دیکھا کہ بسترِ مرگ پر پڑے ہوئے ہیں، اس کے باوجود عیادت کرنے والوں سے پوچھ رہے ہیں کہ بھائی رمی میں کیا افضل ہے ”راکباً“ یا ”ماشياً“؟ (یعنی سوار ہو کر یا پیدل چل کر) یہ سوال کر رہے ہیں، جب لوگ وہاں سے عیادت کر کے واپس ہوئے، تو کہتے ہیں کہ تھوڑی دیر میں وہاں سے لوگوں کے رونے کی آواز آئی پتہ کرنے پر معلوم ہوا کہ حضرت کا انتقال ہو گیا۔ یہ ”مِنَ الْمَهْدِ إِلَى اللَّحْدِ“ ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ طلب ہمارے دل میں پیدا فرمائے۔ اگر اس کا کوئی حصہ حاصل ہو جائے تو بیڑا پار ہو جائے گا، لیکن آج صورت حال یہ ہے کہ جو کچھ حاصل ہے، اسی پر قناعت کئے بیٹھے ہیں اور جہاں قناعت کرنی چاہیے تھی وہاں قناعت نہیں ہے اور جہاں قناعت نہیں کرنی چاہیے تھی، بل کہ حرص کرنا چاہیے تھی؛ یعنی علم اور دین میں، وہاں قناعت ہے۔ الٹا معاملہ ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اس الٹے معاملے کو سیدھا کر دے۔ (آمین!)

یہاں یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ علم کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ طلب علم کا مفہوم علمی مشغولیتوں کی ہر صورت پر پورا اترتا ہے، خواہ وہ تعلیم و تدریس اور تصنیف و تالیف ہی کی صورت میں کیوں نہ ہو۔

تفقه فی الدین؛ نفاق سے براءت کی علامت ہے

﴿۸﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ

اللَّهِ ﷺ خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِي مُنَافِقٍ، حُسْنُ سَمْتٍ وَلَا فِقْهٌ فِي الدِّينِ (رواه الترمذی، المشکوۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: منافق میں دو خصلتیں جمع نہیں ہوتی: ایک تو نیک خلقی (اچھی چال چلن) اور دوسری دین میں سمجھ۔

﴿تشریح﴾ مطلب یہ ہے کہ منافق کے اندر بیک وقت نہ تو

دونوں صفت جمع ہو سکتی ہے اور نہ ہی ان میں سے کوئی ایک پائی جاسکتی ہے،

بل کہ حدیث میں دونوں صفت کو ایک ساتھ بیان کرنے کا مقصد مؤمن کو ان

دونوں صفت کے ساتھ متصف ہونے پر ابھارنا ہے اور ان کی اضداد سے

اجتنابِ کلی کی ترغیب دینا ہے۔ لہذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ ان دونوں

خوبیاں کو اپنے اندر پیدا کرے، کیوں کہ یہی دونوں خوبیاں یعنی اچھے اخلاق

وعادات سے مزین ہونا اور دین میں سمجھ پیدا کرنا، کسی کو کامل مؤمن بناتی

ہیں۔ علامہ تورپشتیؒ نے لکھا ہے کہ تفقه فی الدین دین میں سمجھ، جس کو کہتے وہ

حقیقت میں یہ ہے کہ دین کی صحیح پہچان دل و دماغ میں جگہ پکڑ لے پھر زبان و

قلم پر جاری ہو اور اسی کے بموجب عمل ظاہر ہوں اور اسی کے ذریعہ خوفِ خدا

اور تقویٰ حاصل ہو؛ بہر حال وہ لوگ جو برتری حاصل کرنے کے لیے زبانی

طور پر دین کے چند احکام سے باخبر ہو جائیں، تو اس عظیم رتبہ کو پانے کا

استحقاق نہیں رکھتے، کیوں کہ ان کا علم دل کے اندر پیوست نہیں ہوا ہے، بل کہ صرف زبان ہی کے اوپر ہے اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ تمہارے درمیان کہیں ایسے منافق پیدا نہ ہو جائیں، جو صرف زبان کے اعتبار سے دین کا علم رکھنے والے ہوں۔

خلاصہ یہ ہے کہ تفقہ فی الدین کا مصداق وہی ہے، جو دینی علم کو حاصل کر کے دلوں میں محفوظ کر لے اور اسی کے مطابق عمل بھی کرے۔

## دین کا عالم و معلم قابل رشک ہے

﴿۹﴾ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ مَالًا فَسَلَّطَهُ عَلَى هَلَكْتِهِ فِي الْحَقِّ وَرَجُلٌ آتَاهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا. (متفق عليه، مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو شخصوں کو چھوڑ کر (اور کسی سے) حسد کرنا جائز نہیں ہے؛ ایک تو وہ شخص، جس کو اللہ نے مال و دولت سے نوازا اور پھر اس کو حق کی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور دوسرا وہ شخص، جس کو اللہ نے علم دین دیا ہو اور پھر وہ شخص (عمل کرنے ساتھ) اس علم کے تحت حکم کرتا ہو اور دوسروں کو بھی دین سکھاتا ہو۔

﴿تشریح﴾ اس حدیث میں حسد سے غبطہ؛ یعنی رشک مراد ہے۔ ان

دونوں میں فرق یہ ہے کہ حسد سے مراد؛ کسی شخص کی کوئی نعمت و سرفرازی مثلاً مال و دولت کی کثرت یا کسی عہدہ و منصب اور عزت وغیرہ کو دیکھ کر یہ آرزو کرنا کہ اس سے یہ نعمتیں زائل ہو جائیں، چاہے مجھے ملے یا نہ ملے۔ اس طرح کی آرزو اور تمنا قطعاً جائز نہیں ہے۔ غبطہ؛ یعنی رشک سے یہ مراد ہے کہ کسی کی کوئی حاصل شدہ نعمت دیکھ کر یہ تمنا کرنا کہ وہ چیز اس کے پاس برقرار رہے اور وہی مجھے بھی مل جائے۔ یہ عام مباحات کے اندر بھی جائز ہے، لیکن علم و حکمت میں مستحسن اور محمود ہے، بل کہ مطلوب ہے۔

اب حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ دو چیزوں میں رشک ہونا چاہیے ایک تو وہ شخص، جس کو اللہ نے مال دیا ہو اور حق کام کے اندر خرچ کرنے کی توفیق بھی بخشی ہو، اس لیے ایسے شخص پر رشک کرنا برحق ہے، کیوں کہ اس کے پاس دنیا بھی ہے اور اچھے امور میں خرچ کرنے کی وجہ سے دین بھی ہے۔ لہذا آدمی کو چاہیے کہ مال کی دعا کے ساتھ انفاق فی سبیل اللہ کی توفیق اللہ سے ضرور مانگے، تاکہ اس حدیث کی روشنی میں وہ قابل رشک بن سکے۔ دوسرا وہ شخص جس کو اللہ نے حکمت یعنی قرآن و حدیث کا علم عطا فرمایا اور وہ اسی کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلے کرتا ہے اور اس کی تعلیم بھی دیتا ہے چنانچہ ایسے شخص کو اللہ نے علم بھی عطا فرمایا اور اس کا صحیح مصرف بھی عطا فرمایا کہ اس کو صحیح جگہ پر خرچ کر رہا ہے اور دوسروں تک پہنچا رہا ہے۔ اس کا نفع لازم بھی ہے اور متعدی بھی، تو ایسا شخص یقیناً قابل رشک ہے۔ ویسے دیکھا جائے تو دنیا میں بہت سے لوگ بہت سی چیزوں پر رشک کرتے ہیں،



لیکن مطلوب و محمود رشک وہی ہے، جو ان دو آدمیوں پر کیا جائے۔

علمِ نافع کا اجر و ثواب موت کے بعد بھی منقطع نہیں ہوتا

﴿۱۰﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ. (رواه مسلم، مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب آدمی مر جاتا ہے، تو اس کے عمل کے ثواب کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ ہاں اس کی تین چیزیں ایسی ہیں، جن کا سلسلہ (موت کے بعد بھی) جاری و باقی رہتا ہے (۱) وہ یا تو صدقہ جاریہ (۲) وہ یا تو علم کہ جس سے فائدہ اٹھایا جائے (۳) اور وہ یا تو صالح اولاد، جو اس کے حق میں دعا کرے۔

﴿تشریح﴾ آدمی اس دنیا میں نماز اور روزہ وغیرہ کی صورت میں جو عبادات اور نیک اعمال کرتا ہے؛ ان کا ثواب جمع ہوتا رہتا ہے، جو اس کو آخرت میں ملے گا، لیکن جوں ہی اپنا عرصہ حیات پورا کر کے اس دنیا سے کوچ کر جاتا ہے، تو اس کے نام پر ان اعمال کے ثواب جمع ہونے کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے، کیوں کہ جب تک وہ زندہ رہا اور ان عبادات اور نیک اعمال کو کرتا رہا، تو ان کے ثواب کا بھی حق دار رہا، مگر اب موت کے بعد جب ان عبادات مذکورہ کو کرے گا ہی نہیں اور ان نیک اعمال کا صدور ہوگا ہی نہیں تو پھر ان عبادات اور نیک اعمال پر ثواب ملنے کا سلسلہ بھی ختم ہو جائے گا، البتہ

تین چیزیں ایسی ہیں، جن پر ثواب ملنے کا سلسلہ مرنے کے بعد آئندہ بھی جاری و ساری رہتا ہے، ایک تو صدقہ جاریہ؛ یعنی اگر کسی نے کوئی زمین و جائداد وغیرہ اللہ کی راہ میں وقف کر دی ہے۔ مثلاً کنواں اور تالاب بنوا دیا ہے یا نہر جاری کرادی یا سرائے و مسافر خانہ تعمیر کروا دیا یا اور کوئی عمارت بنوا کر مسجد و مدرسہ کے کام میں آنے کے لیے وقف کر دی، وغیرہ تو اس کا رِ خیر یعنی وقف کرنے کے وقت اس کو جو ثواب ملنا تھا وہ تو ملا ہی، لیکن آئندہ بھی جب تک اس کی وقف کردہ چیز قائم رہے گی مرنے کے بعد بھی اجر و ثواب کا سلسلہ جاری رہے گا۔ لہذا انسان کو چاہیے کہ زندگی میں صدقہ جاریہ کی قبل سے حسب استطاعت اخلاص کے ساتھ کوئی عمل ضرور کرے تاکہ موت کے بعد بھی اس کے ذخیرہ اجر میں اضافہ ہوتا رہے۔

دوسری چیز وہ دینی علم ہے، جس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے؛ یعنی کسی عالم دین نے اگر کوئی دینی کتاب تصنیف و تالیف کی ہے یا تعلیم و تدریس کے ذریعے دوسروں کو بھی عالم دین بنادیا تو اس نیک عمل کے وقت اس کو جو ثواب ملنا تھا، وہ تو ملا ہی، لیکن آئندہ موت کے بعد بھی جب تک مخلوق خدا اس کے علوم و معارف سے مستفید ہوتی رہے گی، اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں ثواب بڑھاتے رہیں گے۔ لہذا ہر طالب علم کو علم حاصل کرنے کے بعد کوئی ایسی راہ اپنانی چاہیے، جو اس کے علمی فیوض و برکات کی توسیع و اشاعت کا ذریعہ بنے۔

تیسری چیز نیک اور صالح اولاد ہے؛ یعنی جس شخص کی اولاد نیک اور دیندار ہو اور اس کے مرنے کے بعد اس کے لیے دعاء مغفرت اور ایصال

ثواب کا عمل کرتی رہے، تو یہ بھی ایسی بھلائی ہے، جس کے ذریعہ آدمی مرنے کے بعد اجر و ثواب پاتا رہے گا اور یہ اسی وقت ہوگا، جب آدمی اپنی اولاد کی تربیت و تعلیم، دینی اور اسلامی نہج پر کر کے دنیا سے گیا ہوگا۔ جیسا کہ حدیث کے اندر موجود ولدِ صالح سے یہ بات واضح ہو رہی ہے۔ لہذا ہر شخص کو اپنی اولاد کے تئیں اسلامی علوم اور دینی تربیت کے بارے میں کوشاں اور متفکر رہنا چاہیے تاکہ اولاد مرنے کے بعد کام آسکے۔

## مجلسِ علم دین کی فضیلت

﴿۱۱﴾ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَرَّ بِمَجْلِسَيْنِ فِي مَسْجِدِهِ فَقَالَ كِلَاهُمَا عَلَى خَيْرٍ وَاحِدُهُمَا أَفْضَلُ مِنْ صَاحِبِهِ إِمَّا هُوَ لَاءِ فَيَدْعُونَ اللَّهَ وَيَرْغُبُونَ إِلَيْهِ فَإِنْ شَاءَ أَعْطَاهُمْ وَإِنْ شَاءَ مَنَعَهُمْ وَإِمَّا هُوَ لَاءِ فَيَتَعَلَّمُونَ الْفِقْهَ أَوِ الْعِلْمَ وَيُعَلِّمُونَ الْجَاهِلَ فَهُمْ أَفْضَلُ وَإِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا ثُمَّ جَلَسَ فِيهِمْ. (رواه الدارمی، مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ اپنی مسجد میں دو مجلسوں کے پاس سے گزرے اور فرمایا کہ دونوں مجلسیں بھلائی پر ہیں، لیکن ان میں سے ایک مجلس دوسری مجلس سے افضل ہے۔ ایک مجلس کے لوگ اللہ کی عبادت اور دعا و ذکر میں مشغول ہیں۔ (حصول مقصد کے لئے اسی سے آس لگائے ہوئے ہیں) اسی کی طرف متوجہ ہیں چنانچہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے، تو ان کو عطا فرمائے اور اگر چاہے تو نہ عطا

کرے اور دوسری مجلس کے لوگ فقہ؛ یعنی علمِ دین سیکھ رہے ہیں یا یہ فرمایا کہ علم سیکھ رہے ہیں اور جاہلوں کو تعلیم دے رہے ہیں۔ لہذا یہ لوگ ان لوگوں سے افضل ہیں اور حقیقت تو یہ ہے کہ میں معلّم بنا کر بھیجا گیا ہوں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہی لوگوں کی مجلس میں بیٹھ گئے۔

﴿تشریح﴾ اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجلسِ علم کو مجلسِ دعا وغیرہ پر فضیلت دی ہے اور دعا والی مجلس میں نہ بیٹھنے کو ترجیح دی ہے، کیوں کہ اس مجلس میں تعلیم و تعلم اور جاہلوں کو علمِ دین سے آراستہ کرنے کا عمل جاری تھا، جو آپ ﷺ کے فرائض منصبی کے عین مطابق تھا اور ایسی ہی مجالس کے ذریعے اشاعتِ دین اور پیغامِ رسالت کو مکمل انجام دیا جاسکتا ہے اور انھیں مجلسوں سے نکلنے والے آگے چل کر انبیاء کے وارثین کہلائیں گے اور زندہ انسانوں کی شکل و صورت میں آپ ﷺ کی نیابت کا مقدس فریضہ ادا کریں گے۔ یہ لوگ نبی تو نہیں ہوں گے، لیکن کارِ نبوت سنبھالنے والے ضرور شمار کئے جائیں گے؛ گویا دعوتِ الی اللہ اور تبلیغِ شریعت میں آپ ﷺ کے دست و بازو اور آلہ کار ہوں گے۔ انھیں سب خصوصیات کی وجہ سے آپ ﷺ نے ذکر و دعا والی مجلس کے مقابلہ میں تعلیم و تعلم والی مجلس کو افضل و برتر قرار دیا اور ان کے ساتھ بیٹھ کر اپنا بھی شمار انھیں میں کیا۔ یقیناً یہ حدیث طالبینِ علم، علما اور معلمین کی غیر معمولی عظمتوں اور فضیلتوں کی واضح دلیل ہے۔ اس لیے طالبانِ علومِ نبوت اور اہلِ علم کو اپنی ذمہ داری کو سمجھنا چاہیے اور حصولِ علمِ دین کے بعد نبی ﷺ کا سچا جانشین ثابت کرنے اور آپ ﷺ کی

تعلیمات کو عام کرنے کے لیے اپنی زندگی کا ہر لمحہ وقف کر دینا چاہیے، تاکہ کل قیامت کے دن آپ ﷺ کے حقیقی وارثین میں شمار ہو سکیں۔

ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے

﴿۱۲﴾ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقِيهٌ وَاحِدٌ

أَشَدُّ عَلَى مِئَةِ عَابِدٍ. (رواہ الترمذی وابن ماجہ ، مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾ عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا کہ ایک فقیہ شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔

﴿تشریح﴾ فقیہ یعنی عالم دین، جو اپنے کمالِ علم و فہم اور خداداد فقہی

بصیرت کی بناء پر دین کی اصل حقیقتوں سے آشنا ہوتا ہے اور شرعی احکام

و ہدایات کے ہر پہلو پر کلی اور جزئی طور پر گہری نگاہ رکھتا ہے، وہ شیطان

کے گمراہ کن وساوس اور مکر و فریب کو خوب پہچانتا ہے۔ شیطان جب لوگوں پر

اہواءِ نفسانی اور خواہشاتِ فاسدہ کے دروازے کھولتا ہے، تو اس کی عیارانہ

چال کو سمجھنے میں اس عالم دین کو ذرا بھی دیر نہیں لگتی اور وہ لوگوں کو خلافِ شرع

روش اختیار کرنے سے بچانے کے لیے شیطانی چال سے آگاہ کر دیتا ہے اور

اپنی علمی دانائی کے ذریعے ان کو ایسی دینی تدابیر اور عقل مندی کی باتیں بتا دیتا

ہے، جن پر عمل کر کے وہ شیطان کو اپنے اوپر قابو پانے کا موقع فراہم نہیں

کرتے اور اس کی ہلاکت خیز برائیوں سے محفوظ رہتے ہیں، لیکن اس عالم

کے برعکس دینی تدابیر سے نابلد، نرے عابد کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ بس عبادت

ہی میں مشغول رہتا ہے، اس کو نہ کسی دینی معاملے میں کچھ غور و فکر کی طرف

دھیان ہوتا ہے اور نہ شیطانی چالوں کو سمجھنے کا فہم و ادراک اور نہ ہی اس کا توڑ کرنے والے اسباب و تدابیر سے واقفیت ہوتی ہے۔ اس لیے وہ دوسرے لوگوں کو تو شیطان سے کیا بچا سکتا ہے، بل کہ خود ہی نادانستہ طور پر شیطان کی طرف سے پیش آنے والے گمراہ کن خیالات و وساوس کا شکار ہو کر اپنی عبادت کو گنواں بیٹھتا ہے۔ اس کو اس بات کا علم ہی نہیں ہو پاتا کہ جس عبادت میں لگا ہوا ہے، اس میں شیطان کن چور دروازوں سے اپنا کام کئے جا رہا ہے اور اس کی ساری محنت کو ملیا میٹ کر رہا ہے۔ لہذا اگر ایسے عابد جو دینی علوم کی مہارت سے نا آشنا ہوں، تو شیطان ان کو اپنے دامِ فریب میں آسانی سے پھنسا لیتا ہے۔ معلوم ہوا کہ بغیر علم کا عابد کبھی بھی شیطان کا لقمہ بن سکتا ہے، چنانچہ عبادت گزار ہونے کے ساتھ ساتھ دینی فقاہت کا ہونا ضروری ہے۔

## طلبِ علم ایک خوش آئند اقدام ہے

﴿۱۳﴾ عَنْ وَائِلَةَ بْنِ الْأَسْقَعِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ

مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ فَأَدْرَكَهُ كَانَ لَهُ كِفْلَانِ مِنَ الْأَجْرِ فَإِنْ لَمْ يُدْرِكْهُ كَانَ لَهُ كِفْلٌ مِنَ الْأَجْرِ (رواہ الدارمی، مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرت وائلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے طلبِ علم سے وابستگی اختیار کی اور اس نے علم کو حاصل کر لیا، تو اسے دوہرا اجر ملے گا اور اگر وہ علم حاصل نہ کر سکا، تو (اس صورت میں) وہ ایک اجر کا مستحق (ضرور) ہوگا۔

﴿تشریح﴾ اس حدیث شریف میں اس بات پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ

جو شخص علم کی تلاش و جستجو میں لگا اور طلبِ علم کو اپنا مشغلہ بنایا، تو اس کے بعد دو ہی صورتیں سامنے آتی ہیں یا تو اس نے علم حاصل کر لیا۔ یا وہ حصولِ علم سے بایں وجہ محروم رہا کہ موت نے اپنے چنگل میں اسے دبوچ لیا، بہر صورت یہ سودمند فائدہ آور سعادت مندی اور ثمر خیزی کا باعث ہوگا۔ اگر اس نے علم حاصل کر لیا تو وہ دوہرے اجر کا مستحق قرار پائے گا۔ ایک اجر تو اسے اس بات پر ملے گا کہ اس نے طلبِ علم کو اپنا مشغلہ بنایا اور حصولِ علم کی راہ میں پیش آمدہ آلام و مصائب اور کلفت و مشقت اس نے برداشت کیا، اس کے حصول کے تئیں سعی و کوشش کی، اجتہاد و کردار سے وابستگی اختیار کی، پُر پیچ وادیوں، پُر مشقت راستوں سے گزر کر، اس کے حصول کو باعثِ سعادت سمجھا، یہ اس کی وہ عملی کوشش ہے، جس کے باعث وہ اجر و ثواب کا مستحق گردانا گیا، پھر اگر اسے علم حاصل ہو گیا اور وراثتِ انبیا کے مرتبہ پر وہ فائز ہو گیا، تو یہ بھی اس کے لیے اجر کا باعث ہوگا، اس طرح سے یہ دوہرے اجر کا مستحق قرار پایا، یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ جیسے ایک مجتہد اجتہادی بصیرت سے جب کوئی مسئلہ اخذ کر لیتا ہے، تو وہ دوہرے اجر کا مستحق قرار پاتا ہے۔ ایک اجر اجتہادی سعی کے باعث اور دوسرا درستگی نتیجہ؛ صحیح مسئلہ تک رسائی کے باعث اور اس حدیث کے مفہوم سے متعلق یہ بھی کہا جاسکتا ہے۔ ایک یہ کہ اجر تو اس کو حصولِ علم کے نتیجہ میں پیش آنے والی صعوبت و مشقت کے عوض اور دوسرا اجر حصولِ علم کے بعد اس پر عمل کرنے کے عوض اور اگر کوئی شخص تحصیلِ علم کو اپنا مشغلہ بنایا، اس کے باوجود محروم رہا اور اسی راہ میں لقمہ اجل بن گیا، تب بھی ایک



اجر ملے گا، جس طرح سے ایک مجتہد اگر کسی مسئلے کو اخذ کرنے میں غلطی کا شکار ہو جاتا ہے اور صحیح مسئلہ تک رسائی سے محروم رہتا ہے، پھر بھی وہ ایک اجر کا مستحق قرار پاتا ہے، کیوں کہ اس نے اجتہاد کی راہ میں اپنی کوشش و محنت صرف کی ہے یہ الگ بات ہے کہ وہ اپنی سعی و کوشش میں ناکام رہا ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے؛ ”اِنَّ اللّٰهَ لَا يَضِيعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِ“ یعنی اللہ نیک کام میں محنت کرنے والے کے اجر کو ضائع نہیں کرتا ہے۔ بہر حال طلب علم سے منسلک ہر شخص سعادت مند اور فائز المرام ہے۔ علم حاصل ہو گیا اور عمل کی راہ اختیار کی تو دوہرا اجر، اور اگر علم حاصل نہ بھی ہوا تب بھی ایک اجر کا مستحق یقیناً ہوگا۔

**علم و حکمت کی بات مؤمن کا گم شدہ سرمایہ ہے**

﴿۱۴﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم الْكَلِمَةُ الْحَكْمَةُ ضَالَّةٌ الْحَكِيمِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا. (رواہ ترمذی و ابن ماجہ، مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حکمت و دانائی کی بات حکمت و دانائی رکھنے والے کی گم شدہ شے ہے۔ لہذا جہاں بھی اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے۔

﴿تشریح﴾ حکمت و دانائی کی بات سے مراد وہ بات ہے، جو دین و آخرت میں فائدہ دینے والی ہو اور حکیم سے مراد مسلم و مؤمن ہے۔ اب حدیث کا مفہوم یہ ہوگا کہ دینی احکام، شرعی ہدایات اور عقبی و آخرت میں کام



آنے والی ہر بات مؤمن و مسلم کا مطلوب حقیقی ہے۔ لہذا مؤمن اس بات کو جہاں بھی پائے، اس کو لینے کا سب سے بڑا حق دار تصور کرے اور فوراً اس کو قبول کر کے عملی نمونہ پیش کرے، کیوں کہ جس طرح عقل مند آدمی اپنی گم شدہ اور مفید چیز جب بھی اور جہاں بھی پاتا ہے اس کو اختیار کرنے میں ذرا بھی پس و پیش نہیں کرتا ہے، اسی طرح مؤمن کو بھی دینی حکمت و دانائی کی بات اپنا گم شدہ قیمتی سرمایہ اور اپنا مطلوب و محبوب اور اپنے کو اس کا سب سے بڑا حق دار سمجھنا چاہیے اور اس کی دانش مندی کا تقاضا یہی ہونا چاہیے کہ اس کو بغیر چون و چرا کے بالفور قبول کر کے عمل کرنا شروع کر دے، چاہے وہ حکمت آمیز اور نفع بخش بات کسی بڑے آدمی یعنی عالم دین اور بزرگ سے سنے یا کسی معمولی اور کمتر آدمی سے۔ یہ نہیں کہ اس طرح کی کار آمد بات کسی حقیر و فقیر کی زبان سے سنے، تو اس کو ناقابل اعتنا سمجھ کر قبولیت سے انکار کر دے چنانچہ بعض عارفین سے منقول ہے کہ اگر کسی شخص نے کوئی بات حضرت بایزید بسطامیؒ جیسے جلیل القدر بزرگ عالم و فاضل سے سنی، تو اس کو قبول کر لی، لیکن اس نے جب وہی بات اپنی کنیر اور باندی کی زبان سے سنی اور اس کو قابل اعتنا و قبول نہیں جانا، تو وہ شخص متکبر شمار ہوگا۔ اس پر فتن اور پر آشوب دور میں جب کہ ہر طرف فساد کاری، اخلاقی تباہی اور تعلیم سے بعد و دوری کا رونا رویا جا رہا ہے اور اہل اسلام نے وہ بہت سی باتیں جو ان کے لیے دنیا و آخرت میں نفع بخش ثابت ہو سکتی ہیں، ان کو پس پشت ڈال دیا ہے اور اغیار کی اسلام منافی تہذیب و تمدن کو گلے سے لگا لیا ہے، جو قوم

مؤمن کے لیے زبردست المیہ اور امت محمدیہ کے لیے لمحہ فکر یہ ہے، نبی کریم ﷺ نے اپنی اس حدیث پاک میں کس درجہ اہمیت کے ساتھ نفع بخش امور کو اختیار کرنے کے لیے امت کی توجہ مبذول کرائی ہے اور ایک ایسی محسوس مثال سے اس مسئلہ کو کس طرح روزِ روشن کی طرح عیاں کیا ہے کہ مؤمن کی نفع بخش گم شدہ چیز، جب اس کے سامنے آتی ہے، تو وہ بڑی عجلت پسندی اور مبادرت و تیزی کے ساتھ اس کی طرف بڑھتا ہے اور بلا کسی پس و پیش کے اسے اپنی گم شدہ شئی سمجھ کر حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لہذا کسی بھی مؤمن و مسلم کے لیے یہ بات قطعاً زیب نہیں دیتی کہ اس کے سامنے ایک فائدہ مند چیز پیش کی جا رہی ہے اور وہ اس سے اعراض و انحراف کرے۔ افسوس صد افسوس ایسے شخص پر کہ جو دنیا و عقبیٰ کی سُرخ روئی سے کنارہ کش اور ہر دو جہاں میں کام آنے والی چیز سے منحرف ہو کر اپنے کو بلید و بے وقوف باور کرتا ہے، دانا سے تو یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ فائدہ بخش اور ثمر آور شئی سے دست کشی اختیار کرے۔

بہر کیف حکمت و دانائی کی باتیں مؤمن کے لیے بہترین اثاثہ اور متاع بیش بہا ہے وہ اسے جہاں بھی ملے حاصل کر لینا چاہیے، خواہ مسجدوں، خانقاہوں، علماء امت کی مجالس و محافل میں یا جہلا و فقرا اور بادشاہان مملکت کے درباروں میں، چوں کہ علم و حکمت کا بازار ہمیشہ گرم رہتا ہے اور حکیم و دانا کا مقصود و مطلوب یہی ہے۔ لہذا اسے دینی علوم اور حکمت آمیز باتوں کو حاصل کرنے کے لیے ہر آن تیار و مستعد رہنا چاہئے جیسا کہ کسی گم شدہ چیز کی تلاش

وجستجو میں اس کا مالک سرگرداں رہتا ہے، اور یہی خردمندی کا تقاضا بھی ہے۔

﴿فائدہ﴾ اس حدیث میں رسول خدا ﷺ نے طالبانِ علومِ نبوت کی توجہ اس جانب مبذول کرائی ہے کہ علمی اور دینی باتوں کا اصل استحقاق تمہیں لوگوں کو حاصل ہے اس لیے ہر ہر جگہ سے، اس علمی اثاثہ کو اپنے پاس اکٹھا کر لینا چاہیے اور حکمت و دانائی کے موتیوں سے اپنے دامن کو بھرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرنا چاہیے اور حکمت آمیز باتوں کی تحصیل میں مبادرت و مسابقت اور ذوق و شوق کے ساتھ پیش رفت کرنا چاہیے، تاکہ ثابت ہو سکے کہ یہ اس کے متلاشی ہیں اور علومِ نبوت کو اپنی گم کردہ شے سمجھتے ہیں۔

## علمِ دین کے بنیادی ستون

﴿۱۵﴾ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَلْعِلْمُ ثَلَاثَةُ آيَةٍ مُحْكَمَةٌ أَوْ سُنَّةٌ قَائِمَةٌ أَوْ فَرِيضَةٌ عَادِلَةٌ وَمَا كَانَ سِوَا ذَلِكَ فَضُلًّا. (رواہ ابو داود و ابن ماجہ، مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: علمِ دین تین چیزیں ہیں (۱) آیتِ محکمہ (۲) سنتِ قائمہ (۳) فریضہ عادلہ اور اس کے علاوہ، جو کچھ بھی ہے وہ زائد و بے معنی ہے۔ (ابوداؤد ابن ماجہ)

﴿تشریح﴾ آیتِ محکمہ سے مراد: قرآن کریم کی وہ آیتیں، جو غیر منسوخ ہوں اور انکے معنی و مراد بالکل ظاہر ہوں۔ متعدد تاویل کا احتمال نہ رکھتی ہوں۔

سنتِ قائمہ سے مراد: وہ احادیثِ نبوی ہیں، جو اپنے متون و اسناد کی پوری احتیاط و حفاظت کے ساتھ نقل ہو کر واجب التسلیم اور معمول بہا قرار پائیں ہوں۔

فریضہ عادلہ سے مراد: اجماعِ امت اور وہ احکام ہیں، جو کتاب و سنت سے قیاس کے ذریعے مستنبط کئے گئے ہوں۔ یہاں اجماعِ امت اور قیاس کو فریضہ عادلہ اس لیے کہا گیا کہ ان سے ثابت شدہ احکام کو تسلیم کرنا اور ان پر عمل کرنا اسی طرح واجب و ضروری ہے، جس طرح کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ احکام و مسائل پر عمل کرنا واجب و ضروری ہوتا ہے، جیسا کہ لفظِ عادلہ سے بھی یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ اجماعِ امت اور قیاس سے ثابت شدہ احکام، کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کے مانند اور مشابہ ہیں۔ اس کے علاوہ بعض لوگوں نے فریضہ عادلہ سے مراد علمِ فرائض بھی لیا ہے۔ یہاں پر یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ علمِ دین کے اصل مآخذ چار چیزیں ہیں: (۱) کتاب اللہ (۲) سنتِ رسول اللہ ﷺ (۳) اجماع (۴) اور قیاس؛ چنانچہ دینی علوم و معارف کی ساری عمارت انھیں چار ستون پر کھڑی ہیں اور تمام اسلامی علوم و اصول اور دینی احکام و ہدایات انھیں میں سے کسی ایک کے ذریعے ثابت ہوتے ہیں اور اگر کوئی چیز ان مذکورہ اصول میں موجود نہ ہو، تو اسے بدعت اور خارج از دین قرار دیا جاتا ہے۔ یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ حدیث میں مذکور آیتِ محکمہ کا یہ مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ ان کے علاوہ قرآن کریم میں جو متشابہ آیات ہیں، ان کا علم یعنی قرات اور ان کا پڑھنا بے سود و بے معنی اور ایک فضول چیز ہے، بل کہ آیتِ محکمہ کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے محکم آیات کو اُمّ الکتاب قرار دیا ہے، کیوں کہ احکام و مسائل کا استنباط و استخراج انھیں آیتِ محکمہ سے ہوتا ہے اور ائمہ

مجتہدین، احکام و مسائل بیان کرتے وقت استدلال آیاتِ محکمہ ہی سے کرتے ہیں، کیوں کہ احکام شرعیہ کی اصل انھیں آیتوں کو قرار دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اکابر مفسرین نے متشابہ آیات کے علم کو اللہ کے حوالہ کر دیا اور ان سے کسی طرح کا تعرض نہیں کیا۔ یہی صحیح طریقہ بھی ہے، جو رسول خدا ﷺ اور صحابہ کرام سے متوارث طریقہ پر ہم تک پہنچا ہے۔ رہا سنتِ نبویہ، تو اس کے تحت وہ تمام فقہی مسائل داخل ہیں، جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر محیط و مشتمل ہیں اور جن پر عمل ناگزیر اور ضروری ہے، احادیثِ نبویہ کے تمام ذخیرے ہمہ وقت و ہر آن انسانی زندگی اور حیاتِ مستعار کے تمام گوشوں کے لیے ہدایت کے گل دستے پیش کر رہے ہیں، جو حقیقت میں اسلامی زندگی و حیات دینی کے لیے مشعلِ راہ و سنگِ میل کا مقام رکھتے ہیں۔ لہذا وہ تمام ذخیرہ احادیثِ سنتِ قائمہ کے تحت داخل ہیں، جو صحیح متون و اسناد کے ساتھ ہم تک پہنچے ہیں اور ان تمام احادیث کو اپنی عملی زندگی میں داخل کرنا بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ قائمہ کا لفظ اس طرف مشیر ہے، اسی طرح فریضہ عادلہ؛ یعنی اجماع اور قیاس سے ثابت شدہ احکام کو حق جاننا اور ان کو عملی جامہ پہنانا اسلام کا اہم ترین حصہ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس نے حدیث میں مذکور علوم ثلاثہ کو جان لیا اور ان کو سیکھ لیا تو اس نے دین کا علم حاصل کر لیا اور ان کے علاوہ باقی چیزوں کا علم سیکھنا اور جاننا دینی اعتبار سے زائد اور اخروی طور پر لا حاصل ہے، لیکن آج مسلم معاشرہ کا یہ المیہ ہے کہ ہمارے پیش تر بچے اسکول اور کالج کی تعلیم حاصل کر کے مختلف علوم و فنون میں کمال پیدا کرنے

میں لگے ہیں اور دینی علوم و معارف سے یکسر خالی اور لاعلم رہتے ہیں، جب کہ اس حدیث کا تقاضا ہے کہ پہلے اسلامی علوم میں مہارت حاصل کی جائے اس کے بعد زوائد کو حسبِ ضرورت حاصل کیا جائے۔

## علم دین کا طالب کبھی شکم سیر نہیں ہوتا

﴿۱۶﴾ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ مِنْهُوَ مَنْ لَا يَشْبَعَانِ مِنْهُمُ فِي الْعِلْمِ لَا يَشْبَعُ مِنْهُ وَمَنْهُمُ فِي الدُّنْيَا لَا يَشْبَعُ مِنْهَا (رواه البيهقي في شعب الایمان، مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو بھوکے حریص کبھی سیر نہیں ہوتے، ایک تو علم کی بھوک اور حرص رکھنے والا شخص کہ وہ علم سے کبھی سیر نہیں ہوتا اور دوسرا دنیا کی بھوک اور حرص رکھنے والا کہ اس کا پیٹ دنیا سے کبھی نہیں بھرتا۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

﴿تشریح﴾ علم کا متلاشی و طلب گار علم کے تئیں ہمیشہ اپنی تشنگی کا احساس کرتا رہتا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”قُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا“ اے نبی کہہ دیجئے کہ میرے علم میں اضافہ فرما! یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ علم میں زیادتی کی طلب اور جذبہ ہمیشہ مؤثر رہنا چاہیے، کیوں کہ علم کی کوئی انتہا نہیں ہے، اگر طالب علم دینی علوم کے کسی ایک گوشہ کو حاصل کر لیتا ہے، تو فوراً دوسرے گوشہ کو حاصل کرنے کے لیے کوشاں اور فکر مند ہو جانا چاہیے۔ اس کرہ ارضی کے اوپر ایسی یگانہ روزگار ہستیاں بھی

گزر چکی ہیں، جو درحقیقت جبالِ علم کہی جاتی تھیں، مگر کسی بھی عصر و مصر میں کسی کو یہ مجالِ دعویٰ اور یہ جرأت و ہمت نہ ہو سکی کہ خود کو ہمہ بینی و ہمہ دانی کے زعم میں آکر انھوں نے عہدہ برآور اور شکم سیری کا اظہار کیا ہو، کیوں کہ عملی ذوق و شوق رکھنے والے کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے واضح انداز میں بیان کر دیا ہے کہ یہ ایسا حریص و بھوکا ہوتا ہے کہ جو علمی بھوک سے کبھی تسکین حاصل نہیں کرتا، بل کہ ہمیشہ علم کی بھوک محسوس کرتا رہتا ہے، اگر کسی نے علمی میدان میں خود کو عظیم المرتبت قرار دیا بھی، خواہ وہ حق بجانب ہی کیوں نہ ہو، تو اس پر بھی اللہ نے گرفت فرمائی۔ حضرت موسیٰ کا واقعہ اس سلسلے میں خود قرآن اور ”أَصْحُ الْكُتُبِ بَعْدَ كِتَابِ اللَّهِ“ بخاری شریف میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ حقیقت میں موسیٰ اس وقت اپنی قوم میں سب سے بڑے عالم تھے اور ابھی اس کا زبان سے اظہار ہی کیا تھا کہ اللہ نے آپ پر گرفت فرمائی۔

قرآن تو اس بارے میں ایک اصولی بات بیان کرتا ہے؛ ”وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ“ ترجمہ: ”ہر علم والے سے بڑھ کر بھی عالم ہے“ اس سے معلوم ہوا کہ علم ایک بحرِ ناپید ہے، جس کی اتھاہ گہرائیوں تک کوئی شناور رسائی کا دعویٰ نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کی جادہ پیمائی ممکن ہے، اس لیے ہر علم کا متلاشی درجہ بدرجہ ترقی ضرور کرتا رہتا ہے اور اپنے شوق و جذبہ کے مطابق حصولِ علم اور زیادتی علم کی سعی و کوشش کرتا رہتا ہے، مگر یہ ایک ایسی لذیذ غذا ہے کہ علم کا طالب، جس سے آسودہ اور شکم سیر ہوتا ہی نہیں، بل کہ ہمہ وقت



اس کا حریص و بھوکا رہتا ہے، اسی حقیقت کو نبی کریم ﷺ نے اپنے حکیمانہ اسلوب میں بیان فرمایا ”مَنْهُومُ فِي الْعِلْمِ لَا يَشْبَعُ مِنْهُ“

دوسرا شخص وہ ہے، جو دنیا طلبی کا شکار ہو جاتا ہے، تو اس کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا، بل کہ ہمیشہ مال و منال کی حرص و ہوس اور دولت و ثروت کی تلاش و جستجو اسے جمع مال کے لیے برا بیچنے و آمادہ طلب رکھتی ہے۔ دنیا کا حریص و لالچی کبھی دنیا سے سبکدوشی کا اظہار نہیں کرتا، اس کے لیے ہر طرح کے آلام و مصائب اور تمام تر صعوبتوں و پریشانیوں کو برداشت کر لیتا ہے ہر پر پیچ وادی اور ہلاکت خیز صحرا و نوردی سے بھی وہ گریز نہیں کرتا اس کا مقصد تو حصول مال اور طلب دنیا ہوتا ہے، وہ اسے کسی بھی شکل میں حاصل ہو، چاہے اسے کوئی بھی طریقہ اختیار کرنا پڑے پھر اسے دنیا سے کتنا ہی حصہ وافر مل جائے وہ شکم سیر نہیں ہوتا۔ دنیا سے کبھی اس کا پیٹ نہیں بھرتا، اسی حقیقت کو نبی کریم ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: ”وَمَنْهُومُ فِي الدُّنْيَا لَا يَشْبَعُ مِنْهَا“ کہ دنیا کا حریص و بھوکا شخص کبھی دنیا سے شکم سیر نہیں ہوتا؛ حالاں کہ دنیاوی مال و دولت کا حریص ہونا، انتہائی مذموم فعل ہے، جب کہ علم دین کا حریص ہونا نہایت ہی محمود و مستحسن عمل ہے۔ اللہ ہم سب کو علم دین کا حریص بنائے۔ (آمین!)

علم سیکھ کر نشر و اشاعت کرنے والا قیامت کے دن امیر کی

شکل میں آئے گا

﴿۱۷﴾ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ



ﷺ هَلْ تَدْرُونَ مَنْ أَجْوَدُ جُودًا قَالُوا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ ﷺ أَعْلَمُ قَالَ  
 اللَّهُ أَجْوَدُ جُودًا ثُمَّ أَنَا أَجْوَدُ بَنِي آدَمَ وَأَجْوَدُ هُمْ مِنْ بَعْدِي  
 رَجُلٌ عَلِمَ عِلْمًا فَلَنَشْرَهُ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَمِيرًا وَحْدَهُ أَوْ قَالَ  
 أُمَّةً وَاحِدَةً. (رواه البيهقي في شعب الايمان)

﴿ترجمہ﴾ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول  
 اللہ ﷺ نے (صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ سب  
 سے بڑا سخی کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول اللہ ﷺ ہی زیادہ  
 بہتر جانتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سب سے بڑا سخی ہے، پھر بنی  
 نوع انسان میں سب سے بڑا سخی میں ہوں اور میرے بعد سب سے بڑا سخی وہ  
 ہے، جس نے علم حاصل کیا، پھر اس کی نشر و اشاعت کی۔ قیامت کے دن ایسا  
 شخص تنہا امیر بن کر آئے گا۔ یا آپ نے یہ فرمایا کہ وہ ایک گروہ بن کر آئے  
 گا۔ (بیہقی فی شعب الايمان)

﴿تشریح﴾ اس حدیث میں سب سے بڑا سخی خداوند تعالیٰ کو قرار دیا  
 گیا ہے، جس کی وجہ اظہر من الشمس ہے، کیوں کہ از فرش تا عرش رب  
 العالمین کی سخاوت و سماحت ہر چیز میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ انسانی کمال  
 و جمال مخلوقات کے لیے قیام و طعام راحت و آرام، آرائش و زیبائش اور  
 کائنات دو جہاں کی ہر ہر شئی میں اللہ کی صنّاعی و کاریگری اور سخاوت آمیزی کا  
 نور پوری آب و تاب کے ساتھ جگمگا رہا ہے، انسان کی رشد و ہدایت کے لیے  
 انبیاء جیسی پاکیزہ اور مقدس ہستیاں مبعوث فرمانا، اس سے بڑھ کر سخاوت اور

کیا ہو سکتی ہے، نیز نفوسِ انسانی کی صلاح و فلاح کے لیے حیاتِ آفریں پیغام اور روح پرور فرمان عطا کر کے اللہ نے اپنی غایت درجہ سخاوت و جودت کا واضح ترین نقشہ اہل علم کے سامنے تحفہ کی طرح پیش فرمادیا۔ الغرض جس سمت، جس گوشہ اور جس زاویہ سے بھی نظر ڈالیے اللہ کی لامتناہی جودت و سخاوت کا پرکیف منظر سامنے آجائے گا۔

رَبُّ الْعَالَمِينَ کے بعد بنی نوعِ انسانی میں سب سے بڑا سخی نبی کریم ﷺ نے خود کو قرار دیا اور یہ بھی ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ آپ ﷺ کی آمد مبارک قیامت تک آنے والی نسل کے لیے سرچشمہٴ رشد و ہدایت اور منبعِ جود و سخاوت ہے۔ ضیافت اور مہمان نوازی کا میدان ہو یا جود و سخاوت کا موقع ہو، امداد و بخشش کا محل ہو یا علم و عمل کی دنیا ہو، اولادِ آدم کی فلاح و بہبود کا منظر ہو یا ان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے دعوت و تبلیغ کی ضرورت ہو، ہر جگہ آپ ﷺ کی جود و سخا کا روح پرور نقشہ اپنی تمام تر جلوہ سامانی کے ساتھ نظر آئے گا۔

اس کے بعد جس شخص کو آپ نے سب سے بڑا سخی قرار دیا وہ تحصیلِ علم کے بعد اس کی نشر و اشاعت کرنے والا شخص ہے، یہاں یہ بات واضح رہے کہ علومِ دینیہ کی نشر و اشاعت کے زمرہ میں وعظ و تقریر، دعوت و تبلیغ اور درس و تدریس، تصنیف و تالیف یہ تمام ہی صورتیں داخل ہیں ایسے ہی شخص کے متعلق نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ وہ قیامت کے دن امیر و سردار بن کر آئے گا۔

آگے راوی کو شک ہے کہ آپ ﷺ نے ”أَمِيرًا وَحَدَةً“ فرمایا کہ وہ تنہا امیر بن کر آئے گا یا آپ نے ”أُمَّةً وَاحِدَةً“ فرمایا۔ بہر حال یہ دونوں تعبیریں

اس کی مقبولیت و پذیرائی اور شرافت و کرامت کو واضح کر رہی ہیں، کیونکہ کبھی تنہا شخص پر بھی اس کی حسنِ کارکردگی، اخلاص و للہیت اور قابلِ قدر عمل کی بجا آوری پر ”اُمّۃ“ کا اطلاق کر دیا جاتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سلسلے میں یہ تعبیر استعمال کی گئی ہے ”إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا“، چنانچہ حدیث میں بھی اس شخص ”اُمّۃ“ کہنے کا یہی مفہوم ہے کہ وہ تنہا شخص ایک گروہ کی حیثیت کا حامل ہوگا اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کے علوم دینیہ کی ترویج و اشاعت کی وجہ سے، جو لوگ دنیا میں راہِ راست پر ہوں گے وہ تمام لوگ قیامت کے دن اس کی اتباع کرتے ہوئے اس کے پیچھے چلیں گے اور وہ شخص ان کی قیادت کرتے ہوئے امیر و سردار کی شکل میں دربارِ خداوندی میں حاضر ہوگا۔ یقیناً یہ اس کے لیے بہت بڑا اعزاز ہے، جو علمِ دین کی برکت سے میسر ہوگا۔

## چالیس حدیثیں امت تک پہنچانے والے کی فضیلت

﴿۱۸﴾ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا حُدِّثَ الْعِلْمَ الَّذِي إِذَا بَلَغَهُ الرَّجُلُ كَانَ فَقِيهًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ حَفِظَ عَلَى أُمَّتِي أَرْبَعِينَ حَدِيثًا فِي أَمْرِ دِينِهَا بَعَثَهُ اللَّهُ فَقِيهًا وَكُنْتُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ شَافِعًا وَشَهِيدًا. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان، مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ علم کی وہ کونسی مقدار اور حد ہے، جس تک پہنچ کر آدمی

فقیہ ہو جاتا ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص میری امت کے نفع کے لیے دینی امور سے متعلق چالیس حدیث یاد کر لے تو اللہ تعالیٰ بروز قیامت اسے فقیہ بنا کر اٹھائیں گے اور میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کرنے والا اور اس کی نیکی و بھلائی پر گواہی دینے والا ہوں گا۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

﴿تشریح﴾ اس حدیث کی وضاحت میں علما نے لکھا ہے کہ چالیس حدیثوں کا لوگوں تک پہنچانا ہے، خواہ وہ یاد ہوں یا نہ ہوں واضح رہے کہ اس حدیث کے پیش نظر علما نے چالیس حدیثیں عوام الناس کی نفع رسانی کے لیے تالیف فرما کر رسول اللہ ﷺ کی اس عظیم بشارت کے امیدوار ہوئے ہیں، کیوں کہ ایک مؤمن کے لیے اس سے بڑھ کر سعادت عظمیٰ اور کیا ہوگی کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات مقدس شفاعت کی ذمہ داری لے لے اور اس کے ایمان و اعمال کا تزکیہ فرما کر خیریت کی گواہی دیدے۔ مؤمن کی اصل کامیابی بھی یہی ہے اور اتنی بڑی کامیابی صرف چالیس حدیث یاد کر کے یا صفحہ قرطاس پر تحریر کر کے لوگوں تک پہنچانا ہے۔ اگر غور کیا جائے، تو یہ کتنا سستا سودا ہے۔ لہذا اس عمل خیر میں ہر مؤمن کو بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے، خاص طور پر طالبانِ علوم نبوت کو تو چالیس حدیث دورانِ تعلیم ضرور یاد کر لینا چاہیے اور موقع بموقع لوگوں کے درمیان بیان کرتے رہنا چاہیے، اگر کسی وجہ سے یاد نہ ہو سکے، تو کم از کم لکھ کر ہی لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیں اور کیا ہی بہتر ہوتا کہ ذمہ دارانِ مدارس طلبہ عزیز کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عظیم بشارت کے پیش نظر چالیس احادیث نبوی حفظ کرنے کا مکلف بنا

دیں، بہت ممکن ہے کہ اللہ رب العزت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے نواز دے جو تمام مومن کے لیے میدانِ حشر میں سب سے قیمتی سرمایہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس حدیث پر اخلاص کے ساتھ عمل کی توفیق عطا فرمائے اور رسول اللہ ﷺ کی شفاعت سے سرفراز فرمائے۔ (آمین!)

## طالب علم اور طالب دین کی تین قسمیں

﴿۱۹﴾ عَنْ أَبِي مُوسَى رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مِثْلُ مَا بَعْثَنِي اللَّهُ بِهِ مِنَ الْهُدَى وَالْعِلْمِ كَمِثْلِ الْغَيْثِ الْكَثِيرِ أَصَابَ أَرْضًا فَكَانَ مِنْهَا نَقِيَّةٌ قَبِلَتِ الْمَاءَ فَانْبَتَ الْكَلَاءُ وَالْعُشْبُ الْكَثِيرُ وَكَانَتْ مِنْهَا أَجَادِبٌ أَمْسَكَتِ الْمَاءَ فَفَنَعَ اللَّهُ بِهَا النَّاسَ فَشَرِبُوا وَسَقَوْا وَزَرَعُوا وَأَصَابَ مِنْهَا طَائِفَةٌ أُخْرَى إِنَّمَا هِيَ قِيعَانٌ لَا تُمْسِكُ مَاءً أَوْ لَا تَنْبِتُ كَلَّا فَذَلِكَ مِثْلُ مَنْ فَقِهَ فِي دِينِ اللَّهِ وَنَفَعَهُ بِمَا بَعْثَنِي اللَّهُ بِهِ فَعِلِمَ وَعِلْمَ وَمِثْلُ مَنْ لَمْ يَرْفَعْ بِذَلِكَ رَأْسًا وَلَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللَّهِ الَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ وَكَانَ مِنْهَا طَائِفَةٌ قَبِلَتِ الْمَاءَ قَاعٌ يَعْلُو الْمَاءَ وَالصَّفْصَفَ الْمُسْتَوِي مِنَ الْأَرْضِ. (متفق عليه) (انوارِ ہدایت)

﴿ترجمہ﴾ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ آپ سے روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو علم و ہدایت دے کر اللہ نے مجھے مبعوث فرمایا، اس کی مثال اس تیز بارش کی سی ہے، جو زمین پر برسی ہو، چناں چہ زمین کا جو قطعہ اچھا اور صاف ستھرا تھا، اس نے بارش کا پانی قبول کر لیا؛ یعنی

اپنے اندر جذب کر لیا، پھر اس نے گھاس اور ہر اچارہ خوب اگایا اور زمین کا جو حصہ سخت تھا، اس نے پانی کو روک رکھا، جس سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو نفع پہنچایا، بایں طور کہ وہی پانی ان کے پینے پلانے اور ان کی کھیتی باڑی کے کام آیا، نیز (اس بارش کا پانی زمین کے) ایک ایسے قطعہ پر بھی برسایا جو بے کار اور چٹیل کے علاوہ کچھ نہ تھا، چنانچہ اس نے نہ تو پانی کو روکا اور نہ گھاس اور چارہ اگایا پس ان (مذکورہ مثالوں) میں اس شخص کی مثال ہے، جس نے اللہ کے دین کو سمجھا اور اس علم و ہدایت نے اس کو نفع پہنچایا جو اللہ نے مجھے دے کر بھیجا ہے، چنانچہ اس شخص نے (کتاب اللہ سنتِ رسول اللہ ﷺ کو) خود بھی جانا سیکھا اور دوسروں کو بھی بتایا سکھایا اور اس شخص کی بھی مثال ہے، جس نے (تکبر اور سرکشی کا رویہ اختیار کر کے) اس (کتاب اللہ سنتِ رسول اللہ ﷺ) کی طرف دیکھنے کے لیے سر نہیں اٹھایا اور اللہ کی اس ہدایت کو قبول نہیں کیا، جو مجھے دے کر بھیجا گیا ہے۔ (بخاری و مسلم)

﴿تشریح﴾ اس حدیث کے اندر رسول اللہ ﷺ کے علم و ہدایت کو بارش کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور جن لوگوں کے سامنے علم و ہدایت کی باتیں پیش کی جاتی ہیں وہ زمین کے درجے میں ہیں اور زمین کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں:

(۱) وہ زمین جو نہایت زرخیز ہوتی ہے، جب بارش برستی ہے، تو وہ زمین پانی کو جذب کر کے پھل دار درخت، عمدہ ترین کھیتی اور خوب ہریالی اگاتی ہے، جس کے نتیجے میں ہر مخلوق فائدہ اٹھاتی ہے۔

(۲) وہ زمین جو بہت سخت ہے اور نشیب میں ہے، جب بارش ہوتی ہے

تو اس کا پانی اس میں جمع ہو جاتا ہے، جیسا کہ تالاب، جھیل اور نالا وغیرہ میں، مگر اس میں کوئی چیز اُگتی نہیں ہے، البتہ اس کے پانی سے انسان، جانور اور چرند پرند فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں، گویا اس زمین نے جوں کا توں پانی کو محفوظ رکھا۔

(۳) وہ زمین جو چٹیل میدان کی طرح بہت سخت ہے اس زمین میں نہ تو پانی رکتا ہے اور نہ ہی اس کے اندر جذب کرنے کی صلاحیت ہے، جب بارش ہوتی ہے، تو سارا پانی بہہ کر چلا جاتا ہے، جس کی وجہ سے لوگ فائدہ اٹھانے سے محروم رہتے ہیں۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق، جن لوگوں کے سامنے علم دین پیش کیا جاتا ہے، ان کی بھی تین قسمیں ہیں۔

(۱) وہ انسان جو نہایت ہی ذہین ہے اور علوم دینیہ کی ہر بات کو زرخیز زمین کے مانند جذب کر لیتا ہے، پھر اس پر عمل کر کے خود کو دنیوی اور اخروی دونوں اعتبار سے فلاح یاب ہوتا ہے اور اپنی ذہانت و فطانت کی وجہ سے جذب کردہ تمام احکام و مسائل کو دلائل کی روشنی میں لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے، جس کے نتیجے میں لوگوں کو خوب فائدہ پہونچتا ہے، چناں چہ ایسے شخص کی مثال اس زمین کے مانند ہے، جس نے بارش کا پانی جذب کر کے خود بھی نباتات وغیرہ اگایا اور دوسروں کو بھی فائدہ پہونچایا۔

(۲) دوسرا وہ انسان جو قرآن و حدیث کی باتیں سن کر محفوظ تو کر لیتا ہے، مگر اس کی گہرائی میں پہونچ کر روایت و درایت میں غور و فکر کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے، البتہ دوسروں کو بعینہ بتلا دیتا ہے، جیسا کہ غیر مفتی اور غیر فقیہ محدث کا حال ہوتا ہے کہ اس نے یاد تو کر لیا، مگر اس کی گہرائی میں پہونچ کر اصل

مطلب نکالنے پر قادر نہیں ہے۔ لہذا اس کی مثال دوسری قسم کی زمین کی طرح ہے، جس کے اندر بارش کا پانی جمع ہو جاتا ہے اور لوگ اپنی ضروریات کے لیے اس میں سے پانی لے کر استعمال کرتے رہتے ہیں، بالکل اسی طرح محدث کا حال ہے کہ اس سے ہر قسم کے لوگ حدیثیں حاصل کر کے فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں اور فقہی بصیرت رکھنے والے لوگ اس سے حدیث لے کر احکام و مسائل کا استنباط بھی کرتے ہیں۔

(۳) تیسرا وہ انسان، جو نبی کی ہدایات اور اسلامی تعلیمات کو سن کر کچھ یاد نہیں رکھ پاتا اور نہ ہی کسی صحیح بات پر عمل کر سکتا ہے، گویا وہ جذب کرنے کی صلاحیت سے بالکل کورا ہے۔

اس کی مثال تیسری قسم کی اس چٹیل اور کھنڈر زمین کی طرح ہے، جس میں بارش کا ایک قطرہ پانی بھی نہیں رکتا ہے اور نہ ہی اس کے اندر جذب کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔

مذکورہ حدیث شریف سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ طالب علم اور طالب دین کی تین قسمیں ہیں، اس لیے طالبان علم دین سے گزارش ہے کہ پہلے قسم کے طالب علم بن کر پوری دنیا کو زر خیز زمین کی طرح فائدہ پہنچائیں اگر یہ نہ ہو سکے، تو کم از کم دوسری قسم کے طالب علم ضرور بن جائیں، تاکہ لوگ آپ کے علمی تالاب سے لوگوں کو سیراب کر سکیں مگر تیسری قسم کے انسان نہ بنیں، کیوں کہ اس میں بالکل ہی فائدہ نہیں ہے۔



## احیاءِ اسلام کے لیے طلبِ علم کی فضیلت

﴿۲۰﴾ عَنْ الْحَسَنِ مَرْسَلًا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ جَاءَ

هُ الْمَوْتُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيَحْيِيَ بِهِ الْإِسْلَامَ فَبَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّبِيِّ  
دَرَجَةٌ وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ. (رواه الدارمی، مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرت حسن بصریؒ سے بطریق ارسال مروی ہے، وہ بیان

فرماتے ہیں کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: جس شخص کی موت اس حال میں آئی کہ وہ علم کو بائیں وجہ طلب کر رہا تھا کہ اس کے ذریعے سے احیاءِ اسلام کا کام کرے گا، تو اس کے اور انبیاء کے درمیان جنت میں ایک درجہ کا فرق ہوگا (دارمی)

﴿تشریح﴾ علم کی تحصیل و طلب اگر دنیاوی اغراض و مقاصد کے علاوہ

صرف احیاءِ اسلام اور دین کی اشاعت و سر بلندی کے لیے ہو، تو ایسے شخص کے حق میں رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے اس حدیث میں یہ عظیم بشارت دی گئی ہے کہ اس شخص کو جنت میں اتنا اہم مقام عطا کیا جائے گا کہ اس کے اور انبیاء کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق ہوگا اور محدثین کی تشریح کے مطابق وہ نبوت کا درجہ ہوگا، جس کے باعث انبیاءِ کرام بلند مقام پر فائز ہوں گے۔ اس حدیث سے یہ بھی پیغام مل رہا ہے کہ انسان حصولِ علم سے قبل خلوصِ نیت کے ساتھ متصف ہو جائے اور محض رضائے الہی اور احیاءِ اسلام کی غرض سے ہی طلبِ علم میں مشغول و منہمک رہے، تو ایسے شخص کے لیے یہ مرثدہ و بشارت ہے کہ وہ جنت میں مقامِ رفیع پر جلوہ افروز ہوگا۔ لہذا طالبانِ علومِ نبوت کو اپنی نیت ہر طرح کے دنیاوی جاہ و منصب سے خالی

رکھ کر فقط رضائے الہی اور احیاءِ اسلام ہی میں منحصر کر لینی چاہیے۔

طالبانِ علمِ دین کے بارے میں صحابہؓ کو ایک وصیت

﴿۲۱﴾ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ

اللَّهِ ﷺ إِنَّ النَّاسَ لَكُمْ تَبَعٌ وَإِنَّ رَجُلًا يَأْتُونَكُمْ مِنْ أَقْطَارِ الْأَرْضِ يَتَفَقَّهُونَ فِي الدِّينِ فَإِذَا اتَّوَكُّمَ فَاسْتَوْصَوْا بِهِمْ خَيْرًا. (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک

دن) رسول اللہ ﷺ نے (صحابہ کرام کو مخاطب کر کے) فرمایا: دیکھو لوگ تمہارے تابعدار ہیں، (کیوں کہ میرے بعد میری امت کے افراد تمہیں اپنا مقتدی سمجھیں گے) اور سنو! بہت سے حضرات اطرافِ عالم سے دین کا علم و فہم حاصل کرنے کے لیے تمہارے پاس آئیں گے، لہذا جب وہ تمہارے پاس آئیں، تو ان کے ساتھ خیر خواہی اور حسن سلوک کرنے میں میری وصیت کو قبول کرو! (ترمذی)

﴿تشریح﴾ نبی اکرم ﷺ نے اپنے اس مبارک ارشاد میں صحابہ کرام

کو طالبانِ علومِ نبوت کے سلسلے میں ایک اہم زریں نصیحت فرمائی، جس سے طالبانِ علمِ دین کی غیر معمولی فضیلت مترشح ہو رہی ہے، چنانچہ آپ نے فرمایا کہ لوگ تمہارے تابع ہیں؛ یعنی میرے بعد لوگ دینی امور میں تمہارے افعال و اقوال کی پیروی کریں گے، کیوں کہ آپ لوگوں نے بالمشافہ مجھ سے دینی احکام، علمی باتیں، اور عمدہ اخلاق و عادات حاصل کیا۔

اس لیے بعد میں آنے والے میرے امتی تمہیں اپنا راہبر و مقتدی بنائیں گے اور اطرافِ عالم سے تمہارے پاس آ کر تفقہ فی الدین حاصل کریں گے اس پیش گوئی کے بعد آں حضرت ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو یہ ہدایت فرمائی کہ جب لوگ تمہارے پاس علمی تشنگی بجھانے کے لیے آئیں، تو اس وقت کے لیے یہ وصیت کرتا ہوں کہ تم ان کے ساتھ ہمدردی، رواداری، الفت و محبت اور خیر خواہی کا معاملہ کرنا اور آپ ﷺ نے تعبیر یہ اختیار فرمائی کہ آپ حضرات طالبانِ علوم نبوت کے سلسلے میں خیر خواہی کی وصیت کو قبول کر لو۔ اس حدیث میں آپ ﷺ نے لون و رنگ اور قومیت و علاقائیت کی سطح سے اوپر اٹھ کر یہ فرمان جاری کیا ہے کہ تفقہ فی الدین کی تلاش و جستجو میں، جو بھی نکلا ہو، خواہ وہ کسی بھی خاندان و قبیلے سے تعلق رکھتا ہو، اس صفحہ ہستی کے کسی بھی گوشے کا باشندہ ہو۔ بہر حال ایک طالب علم ہونے کی حیثیت سے اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہیے، اسی لیے (رَجَالًا يَأْتُونَكُم) میں ”رجل“ کی جمع ”رجال“ کو مطلق رکھا ہے، جس میں تمام ہی بنی نوع آدم شریک ہیں، اگر جنسِ عورت طالبہ ہو، تو اس حدیث سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ ان کے ساتھ خیر خواہی نہ کی جائے، کیوں کہ ان کا تذکرہ اس میں نہیں ہے، بل کہ درحقیقت وہ بھی اس میں تغلیباً داخل ہیں، اس لیے ”رجال“ کا لفظ استعمال کیا گیا۔

”مِنْ أَقْطَارِ الْأَرْضِ“ اس سے ثابت ہوا کہ اطرافِ عالم کے کسی بھی خطہ اور علاقہ کا طالبِ علوم نبوت ہو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاکید کے مطابق خیر خواہی اور حسن سلوک کا بغیر کسی امتیاز کے برابر کا مستحق ہے، کیوں

کہ ہر طالب علم، حصولِ دین اور مہمانِ رسول اللہ ﷺ ہونے کے باعث مقربانِ بارگاہِ الہی میں سے ہے، ظاہر ہے، جو ایسے شخص کے ساتھ خیر خواہی کرے گا وہ بھی تقریبِ خداوندی کے مقام پر فائز ہو جائے گا اور جو بدخواہی کا ارادہ کرے گا، اس پر اللہ کی طرف سے عتاب کا نازل ہو جانا، کوئی مستبعد نہیں ہے۔ لہذا یہ حدیث نسلی، قومی، علاقائی اور برادری کے نام پر تعلیم دینے والوں کے لیے ایک لمحہ فکریہ ہے، جو اپنائیت کے جذبہ سے سرشار ہو کر تعلیماتِ نبویہ کو فراموش کر بیٹھتے ہیں اور ہر اجنبی غیر برادری یا غیر ملکی طالب علم سے بدسلوکی کرتے ہیں، یا اسے اپنے اوپر بار سمجھ کر شفقت و عنایت سے گریز کرتے ہیں اور نفرت آمیز نگاہوں سے دیکھتے رہتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد قیامت تک کے لیے طالبانِ علومِ نبوت کے حق میں بلا تفریق خیر خواہی کی تاکید کرتا ہے۔

اغراضِ فاسدہ کے لیے علم حاصل کرنے والے کے بارے

### میں وعید

﴿۲۲﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُتَغَى بِهِ وَجْهُ اللَّهِ لَا يَتَعَلَّمُهُ إِلَّا لِيُصِيبَ بِهِ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرَفَ الْجَنَّةَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَعْنِي رِيحَهَا. (رواه احمد و ابو داؤد وابن ماجه، مشكوة)

﴿ترجمہ﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اس علم کو سیکھا، جس کے ذریعہ اللہ کی رضا حاصل کی جاتی ہے مگر اس نے صرف اس غرض سے سیکھا کہ اس علم کے ذریعے دنیا کی متاع

حاصل کرے گا، تو اس کو قیامت کے دن عرف جنت یعنی جنت کی خوشبو بھی نصیب نہیں ہوگی۔ (احمد، ابوداؤد، وابن ماجہ)

﴿تشریح﴾ نیت کسی بھی عمل میں اصل اور بنیاد کا مقام رکھتی ہے اس کے فساد سے ہر عمل میں فساد ہو جائے گا۔ علم کا سب سے اہم مقصد رضائے الہی اور خوشنودی خداوندی کا حصول ہے اور علم دین کی اہمیت و فضیلت کے پیش نظر یہی موزوں اور مناسب بھی ہے کہ اس سے اللہ کی رضا حاصل کی جائے، اگر کوئی شخص اسے اس لیے حاصل کرتا ہے کہ اس سے دنیوی مال و منال یا جاہ و منصب حاصل کرے، تو اس سے بڑھ کر احمق و نادان کون ہو سکتا ہے۔ یہ تو اس شخص کے مانند ہے، جو اس گولی کو جس سے شیر کا شکار کرنا چاہیے، چیونٹی پر مار کر برباد کر رہا ہے ”مما یتغی بہ وجہ اللہ“ کے واضح الفاظ اس طرف مشیر ہیں کہ طلب علم دین کا مقصد ہی اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے۔

اگر کوئی شخص اس اہم مقصد سے انحراف کرتے ہوئے کسی ایسے مقصد میں اس کا استعمال کرے گا، جو شرعی حدود و دائرے سے خارج ہے، تو ایسا شخص مجرم گردانا جائے گا اور جرم کی پاداش میں لامحالہ مستحق عتاب و عذاب ہوگا، چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے ایسے شخص کی سزا بیان کرتے ہوئے فرمایا: ”لَمْ يَجِدْ عَرَفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ“، کہ قیامت کے دن جنت میں داخل ہونا تو درکنار جنت کی خوشبو بھی نصیب نہیں ہوگی۔ یہ الفاظ مذکورہ شخص کی مذمت اور برائی کو زیادہ سے زیادہ پر تہدید انداز میں بیان کرنے کے لیے استعمال ہوئے ہیں، جن کا لفظی مفہوم دخول جنت سے اس شخص کی مکمل محرومی کو ظاہر

کر رہا ہے، لیکن حقیقت میں یہاں پر یہ مفہوم مراد نہیں ہے دراصل نبی اکرم ﷺ کا منشا پُر زور انداز میں اس کی قباحت کر کے دنیاوی مقاصد سے منحرف ہو کر رضائے الہی کے لیے حصولِ علم پر ابھارنا ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص اپنے جرم کی پاداش میں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے مخلص و مقرب بندوں کے ساتھ ابتدا میں دخولِ جنت سے محروم رہے گا، بل کہ اسے جہنم رسید کیا جائے گا جب وہاں جہنم کی بھٹی میں تپ کر گناہوں سے پاک و صاف ہو جائے گا، تو جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

معلوم ہوا کہ علم کو کسی غیر شرعی مقصد کے لیے حاصل کیا جائے گا، تو اس سے علم کے تمام تر اثرات و فوائد ختم ہو جائیں گے، اگرچہ بظاہر انسان انھیں فوائد تصور کرتا ہو، لیکن شریعت کی نظر میں وہ فوائد ذرا بھی اہمیت نہیں رکھتے مثلاً علم کو سبب بنا کر اس سے دنیاوی جاہ و منصب حاصل کر لیا، یا اس کو وسیلہ بنا کر دنیا داری میں فوقیت لے گیا، یا اسکے ذریعے سے وہ خود کو عالم کہلانے پر کبر و نخوت عجب و انانیت میں مبتلا ہو گیا، تو یہ سب وہ چیزیں ہیں، جو شریعت کی نظر میں ہیچ ہیں، گویا اس طرح کے حقیر مقاصد کے پیچھے پڑ کر اس نے علم کے اس فائدے و نورانیت کو ختم کر دیا، جو اسے آخرت میں بامِ عروج اور کمال و بلندی پر گامزن کرنے والا تھا اس لیے ہر طالبِ علم کو اخلاص و للہیت کی غرض سے علم حاصل کرنا چاہیے، اگر نیت صالح ہوگی، تو دنیاوی چیزیں از خود بغیر نیت کے ہی حاصل ہو جائیں گی اس طرح وہ دنیا و عقبی دونوں جگہ کامران رہے گا۔ یہاں پر یہ واضح رہے کہ دینی علم کو کسی دنیاوی

غرض کی خاطر حاصل کرنا فتیح ہے، اگر کوئی شخص کسی دنیوی علم کو، جس پر شریعت کی طرف سے کوئی بندش نہ ہو، دنیوی غرض یا ذریعہ معاش کے لیے حاصل کرتا ہو، تو وہ اس وعید کے تحت داخل نہیں ہے۔

علماءِ حق سے مجادلہ اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے علم حاصل کرنا موجبِ جہنم ہے

﴿۲۳﴾ عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُجَارِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ أَوْ لِيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ أَوْ يَصْرِفَ بِهِ وَجُوهَ النَّاسِ إِلَيْهِ أَدْخَلَهُ اللَّهُ النَّارَ. (رواه الترمذی و ابن ماجه، مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرت کعب بن مالک رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے علم اس لیے حاصل کیا کہ اس کے ذریعہ علماء دین سے مقابلہ کرے، یا بے وقوفوں سے بحث و نزاع کرے، یا لوگوں کو اپنی شخصیت کی طرف متوجہ کرے، تو اس شخص کو اللہ تعالیٰ جہنم میں ڈال دے گا۔

﴿تشریح﴾ حصولِ علم یقیناً ایک مستحسن اور محمود عمل ہے، مگر ظاہر ہے کہ ہر عمل کا دار و مدار نیت پر ہے، اگر نیت صالح ہے، تو عمل بھی قابلِ قبول اور لائق تحسین ہوگا اور اگر نیت میں فتور و فساد ہے، تو عمل بھی لائق رد اور فتیح قرار پائے گا۔ لہذا اگر کوئی شخص اس مقصد کے لیے علم حاصل کیا کہ میں اس علم کے ذریعہ علماءِ حق سے بحث و مباحثہ اور مقابلہ آرائی کروں گا اور ان کے اوپر

اپنی فوقیت و برتری کا اظہار کروں گا، تو اس کا یہ عمل ہلاکت کا باعث بن جائے گا اور اس کا یہ علم، جو اخلاص و للہیت کی بنیاد پر رفع درجات کا سبب بن سکتا تھا، اب فسادِ نیت کی وجہ سے دخولِ جہنم کا باعث بن جائے گا۔ اس جگہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ علماء حق سے بحث و مناظرہ فتیح ہے، لیکن اگر حصولِ علم سے اس کا مقصد علماءِ سوء سے مناظرہ اور غلط نظریات کے حاملین سے مجادلہ اور مخاصمہ مقصود ہے اور اس کے ذریعہ ان کی اصلاح مطلوب ہے، تو وہ علم اس کی نجات و فلاح کا سبب بنے گا اور حدیث کے اندر مذکورہ وعید سے خارج قرار پائے گا۔ نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں اس شخص کو بھی دخولِ جہنم کی وعید سنائی ہے، جو اس غرض سے علم حاصل کرے کہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں گے، طلبہ کا جہم غفیر اس کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرے گا، تمام حضرات اس کو اپنا مقتدا بنیں اور راہِ برتسلیم کر کے تعظیم و تکریم کریں گے، اس کے پاس ہدایا و تحائف کے انبار لگ جائیں گے، عیش پرستی اور راحتِ رسانی کے تمام اسباب مہیا ہو جائیں گے، اس کی ہر نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے اور تمام دیرینہ تمناؤں کو پورا کرنے کے لیے، لوگ اس کے آگے پیچھے چلتے پھرتے نظر آئیں گے، اسی طرح راستوں اور چوراہوں اور بازاروں میں جاہل اور بے وقوف لوگوں سے حجت و تکرار کروں گا، تو عوام میرے گرویدہ ہو جائیں گے، چنانچہ یہ تمام اغراض و مقاصد باطل اور فاسد کے زمرے میں آتے ہیں، اس لیے نبی کریم نے فرمایا کہ ایسا شخص بھی جہنم رسید ہوگا، لیکن واضح رہے کہ اگر کسی شخص کی نیت حصولِ علم کے وقت خالص اللہ رہی ہو اور



دینی جذبہ کے تحت اس نے تحصیل علم کا راستہ اختیار کیا تھا لیکن بعد میں بتقاضا  
ئے جبلت اس کے اندر کچھ ریاکاری اور دنیوی جاہ و حشمت کی آمیزش ہو گئی تو  
ایسا شخص اس وعید میں شامل نہیں اس کو معذور سمجھا جائے گا۔ بہر حال خلاصہ  
کلام یہ ہے کہ اگر علم دین دنیوی اغراض و مقاصد یا نفسانی خواہشات و عوامل  
کے پیش نظر حاصل کیا جائے یا مقابلہ آرائی اور تعظیم و تکریم کی نیت سے ہو یا  
لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنا مطلوب ہو تو ایسے طالب علم کا انجام تباہ  
کن اور ہلاکت خیز ثابت ہو سکتا ہے، کیوں کہ نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک  
سے سخت ترین وعید کا اعلان کیا گیا ہے۔

علم دین کو دنیا طلبی کا سبب بنانا اپنی ناقدری اور علم کی بے  
حرمتی ہے

﴿۲۴﴾ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ لَوْ أَنَّ أَهْلَ الْعِلْمِ  
صَانُوا الْعِلْمَ وَوَضَعُوا عِنْدَ أَهْلِهِ لَسَادُوا بِهِ أَهْلَ زَمَانِهِمْ لَكِنَّهُمْ  
بَذَلُوا لِأَهْلِ الدُّنْيَا لِيَنَالُوا بِهِ مِنْ دُنْيَاهُمْ فَهَانُوا عَلَيْهِمْ، سَمِعْتُ  
نَبِيَّكُمْ ﷺ يَقُولُ: مَنْ جَعَلَ الْهُمُومَ هَمًّا وَاحِدًا كَفَاهُ اللَّهُ هَمَّ دُنْيَاهُ  
وَمَنْ تَشَعَّبَتْ بِهِ الْهُمُومُ أَحْوَالَ الدُّنْيَا لَمْ يُبَالِ اللَّهُ فِي أَيِّ  
أَوْدِيَّتِهَا هَلَكَ. (رواه ابن ماجه و رواه البيهقي في شعب  
الايمان، مشكوة)

﴿ترجمہ﴾ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے  
بیان فرمایا کہ اگر اہل علم، علم کی حفاظت کرتے اور جو شخص علم کے لائق اور اس

کا اہل ہوتا، اسی کو سکھاتے تو اس علم کی وجہ سے وہ اپنے زمانے کے لوگوں کی سیادت و قیادت کی باگ ڈور سنبھالے ہوتے، لیکن جب انھوں نے اہل دنیا پر اس لیے علم کو خرچ کیا، تاکہ وہ اس کے سبب ان کی دنیا (مال و دولت) سے کچھ حاصل کریں، تو اہل دنیا کی نظر میں ان کی کوئی قدر و منزلت نہ رہی۔ میں نے تمہارے نبی ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جو تمام ہموم و غموم کو ایک ہی آخرت کا فکر و غم بنا لیا، تو اللہ تعالیٰ اس کی دنیاوی ہموم و فکر کے لیے کافی ہو جاتا ہے اور جس شخص کو دنیاوی حالات کی فکریں پراگندہ کر دیں، تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ وہ دنیا کے کس جنگل میں (یعنی دنیا کی کس پریشان حالی میں مبتلا ہو کر) ہلاک ہو جائے۔ (ابن ماجہ، بیہقی: شعب ایمان میں، مشکوٰۃ)

﴿تشریح﴾ علم کی حفاظت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ علمِ دین کی عظمت و رفعت کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس کا حامل یعنی عالم بھی باعظمت و باوقعت ہوتا، لیکن جب عالموں نے مال و دولت کی طمع اور جاہ و منصب کی طلب میں ظالم لوگوں اور دنیا داروں کی صحبت اختیار کیں ان کی دنیاوی مجالس کے رکن بنے، تو انھوں نے نہ صرف علمِ دین کی توہین کا ارتکاب کیا، بل کہ اپنے کو ذلیل کردہ غلط طریقے اور بے راہ روی کے انداز میں پیش کیا اور علم کو نا اہلوں کے پاس لے جا کر ضائع کیا۔ نا اہلوں سے مراد وہ دنیا دار اور جاہ و منصب کے طلب گار ہیں، جو علم کو سیکھنے سکھانے کی نہ صلاحیت رکھتے ہیں اور نہ اس کی سعی و کوشش کرتے ہیں، نیز وہ حضرات، جو علم پر عمل نہیں کرتے ہیں، وہ بھی

اس کے اندر داخل ہیں، جس کی وجہ سے قعرِ منزلت میں جا گرے اور بے قدری کا شکار ہوئے حالاں کہ اگر عالم لوگ اپنا صحیح نظر صرف دین کی خدمت و اشاعت کو قرار دے دیں اور کسی بھی دنیاوی غرض سے بالاتر ہو کر، محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے، اپنے علم کو لوگوں کی دینی ہدایت و بھلائی میں خرچ کریں، تو وہ پھر اپنے فضل و کمال اور اپنی بزرگی کے اعتبار سے اپنے زمانے والوں کے مقتدی اور پیشوا بن جائیں اور لوگ اس کو اپنا سردار و قائد تسلیم کر لیں۔ واضح رہے کہ یہاں سردار بن جانے سے مراد: دنیاوی حکومت و سیادت کا حاصل ہو جانا نہیں ہے، کیوں کہ علماء دین کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ دنیاوی تختِ حکومت پر بیٹھیں اور سیاسی حکمرانی حاصل کریں ان کا تو اصل مقام ان کو دینی فضل و کمال اور بزرگی کا حاصل ہونا ہے اور جن کو یہ مقام حاصل ہو جاتا ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ ان کے ماسوا کو ان کے زیرِ قدم، ان کے زیرِ قلم اور ان کے عقل و احکام کا تابعدار بنا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

”يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ“ ترجمہ:

اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کے درجات کو بلند فرماتا ہے، جو ایمان لائے اور جن کو دین کا علم عطا کیا گیا۔

عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگردوں کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مبارک پیش فرمایا: ”مَنْ جَعَلَ الْهُمُومَ هَمًّا وَاحِدًا الْخ“ یعنی جو شخص اخروی کامیابی کو اپنا مقصد اصلی بنا لیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ دنیاوی ہجوم و غم کو اور یہاں کی تمام فکروں سے اسے نجات دلا دیتے ہیں۔ تمام

مصائب و مشکلات حل کر دیتے ہیں۔ ہر محاذ اور ہر موڑ پر اس کی یاوری کرتے ہیں، اس لیے لوگوں کو خاص طور پر طالبانِ علومِ نبوت کو چاہیے کہ اپنی زندگی کا ایک لمحہ تمام تفکرات و تدبیرات کو اخروی کامیابی و کامرانی پر مرکوز کر دیں۔ ”وَمَنْ تَشَعَّبَتْ بِهِ الْهُمُومُ أَحْوَالَ الدُّنْيَا الْخ“ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص دنیوی فکر میں مبتلا ہو کر پراگندہ حالی کا شکار ہو جائے اور اس کی حالت ایسی ابتر ہو جائے کہ ایک فکر سے خلاصی نہیں ملی کہ دوسری فکر نے اسے آدھمکا اور اعمالِ آخرت سے بے بہرہ ہو کر، انھیں دنیاوی افکار و خیالات میں جکڑا رہا، تو ایسے شخص کے بارے میں نبی کریم ﷺ فرما رہے ہیں کہ اللہ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں، دنیا و عقبیٰ ہر جگہ وہ اللہ کی رحمتوں، عنایتوں اور نوازشوں سے محروم رہے گا۔ ہر محاذ پر اسے ناکامی و ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ لہذا یہ حدیث ہر امتی کے لیے لمحہ فکر یہ ہے۔

علماءِ دین کو اُمراء کے پاس آمد و رفت سے گریز کرنا چاہیے

﴿۲۵﴾ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أُنَاسًا مِنْ أُمَّتِي سَيَتَفَقَّهُونَ فِي الدِّينِ وَيَقْرُونَ الْقُرْآنَ يَقُولُونَ نَأْتِي الْأُمَرَاءَ فَنُصِيبُ مِنْ دُنْيَاهُمْ وَنَعْتَزِلُهُمْ بِدِينِنَا وَلَا يَكُونُ ذَلِكَ كَمَا لَا يُجْتَنَى مِنَ الْقِتَادِ إِلَّا الشُّوكَ كَذَلِكَ لَا يُجْتَنَى مِنْ قُرْبِهِمْ إِلَّا قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ كَأَنَّهُ يَغْنَى الْخَطَايَا. (رواہ ابن ماجہ، مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت سے کچھ حضرات دین میں سمجھ حاصل کریں گے اور قرآن کی تلاوت کریں گے اور یوں کہیں گے کہ ہم اُمراء کے یہاں جاتے ہیں، تاکہ ان کی دنیا سے کچھ حاصل کریں، لیکن ہم اپنے دین کو ان سے بچائے رکھیں گے، حالاں کہ ایسا نہ ہو سکے گا۔ (کہ اُمراء کی مصاحبت سے وہ دین کو محفوظ رکھ سکیں) جیسا کہ خاردار درخت سے سوائے کانٹے کے کوئی اور چیز حاصل نہیں ہوتی، اسی طرح اُمراء کے تقرّب اور مصاحبت سے کوئی چیز حاصل نہیں ہو سکتی، سوائے۔۔۔۔۔ اور محمد ابن صباح کہتے ہیں کہ ”إِلَّا“ کے بعد نبی کریم ﷺ ”خطایا“ مراد لے رہے تھے۔ (ابن ماجہ، مشکوٰۃ)

﴿تشریح﴾ علم، اللہ کی طرف سے ایک اہم عطیہ اور قابلِ قدر تحفہ ہے اور اللہ کے نزدیک اس کی بڑی عظمت و وقعت ہے، جیسا کہ قرآن و حدیث کے مختلف مقامات سے اس کی وضاحت ملتی ہے۔ دوسری طرف دنیا، یہاں کی شان و شوکت جاہ و حشمت اللہ کی نظر میں حقیر و سیرنا قابلِ اہمیت شئی ہے۔ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ دنیا کی قدر و قیمت اللہ کی نظر میں ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں، اگر اللہ کی نظر میں اس کی اتنی بھی وقعت ہوتی، تو کفار و فجار یہاں بھوکوں مرا کرتے۔ معلوم ہوا کہ علم اور مال و دولت آپس میں متضاد ہیں، چنانچہ حدیث میں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ علما کو اُمراء اور حکمرانوں سے کنارہ کش رہنا چاہیے، کیوں کہ ان سے یکسو و علاحدہ رہ

کر ہی اپنے علم و وقار، قدر و منزلت اور مقام و مرتبہ نیز دین اور ایمان کو وہ سلامت و محفوظ رکھ سکیں گے اور اگر اُمراء کے محلات کا چکر لگائیں گے، حکمرانوں کے قصر ہائے سلطنت کا گشت کریں گے، ایوان و اقتدار میں حاضری کو اپنا شیوہ بنائیں گے اور اس سے ان کا مقصد کسی واقعی اور ضروری حاجت کو پورا کرنا نہیں، بل کہ اپنی دینی اہمیت و حیثیت کو اظہار کر کے مال و دولت حاصل کرنا، مناصب و عہدے لینا اور اعزازات و خطابات پانا ہوگا، تو یاد رہے کہ اس سے ان کی پذیرائی اور مقام و مرتبہ گرچہ حکمرانوں کی نظر میں ہو جائے، لیکن ان کا دینی مقام مجروح و مخدوش ہو کر رہ جائے گا، عوام الناس کے قلوب سے ان کی قدر و منزلت نکل جائے گی اور جب خالص دینی مزاج رکھنے والے باشعور حضرات ان سے دریافت کریں گے، تم تو تفقہ فی الدین رکھنے والے اور قرآن کے عالم و قاری ہو، لہذا اُمراء کے دربار اور حکمرانوں کے ایوان کا چکر کیوں کاٹتے ہو؟ اس پر وہ لوگ نہایت ہی بیہودگی اور حواس باختگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہم تو اُمراء اور حکمرانوں کے پاس اس وجہ سے آتے جاتے ہیں کہ اپنے دین و ایمان کو سلامت اور محفوظ رکھتے ہوئے ان کی دنیا داری اور مال و دولت سے کچھ فائدہ حاصل کر لیں اور ان کی مصاحبت و ہم نشینی کو اپنے علم و دین پر بالکل اثر انداز نہیں ہونے دیں گے، جب کہ حقیقت میں ان کا اس طرح کہنا خام خیالی اور غلط زاویہ فکر پر محمول ایک فاسد تاویل ہوگی، کیوں کہ حکمرانوں کی قربت اور نزدیکی سے وہ دینی نقصان کو کسی طرح بچا نہیں پائیں گے۔ یہاں یہ بات بھی مد نظر رہے کہ کسی

علمی مقصد یا دینی جذبہ کے ساتھ حکمران اور اُمرائے کے پاس جانا اور انھیں اسلامی اصول و تعلیم کی یاد دہانی کرانا یا دینی روش اور انصاف پسندی سے آشنا کرانے کے لیے جانا فبیح نہیں ہے، بل کہ قابلِ مدح اور لائقِ صدرِ رشک ہے۔

بہر حال علما کا اُمر اور حکمران سے قربت و تعلق کا ردِ عمل یہ ہوگا کہ ایمان و اسلام کی سلامتی اور صحیح افکار و نظریات پر قائم و دائم رہنا خطرے میں پڑ جائے گا، اسی واقعی حقیقت کا اظہار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں فرمایا ”لایکون“ کہ دنیا دار، ناخدا ترس، بے راہ رو اور غلط افکار و نظریات کے حامل امراء سے تقرب کے باوجود دین کا اپنی صحیح حالت میں باقی رہ جانا ہو نہیں سکتا، بل کہ ناممکن بات ہے۔ آپ ﷺ نے اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے ایک مثال دی ہے کہ جس طرح کانٹوں کے درخت سے کانٹے ہی ہاتھ آتے ہیں اسی طرح دنیا دار غیر منصف حکمرانوں سے غلط کاری کے علاوہ اور کوئی درس و نصیحت حاصل نہیں ہو سکتی۔

”كَذَلِكَ لَا يُجْتَنَى مِنْ قَوْلِهِمْ إِلَّا“ کے اندر مستثنیٰ کا ذکر نہیں ہے، چنانچہ امام بخاریؒ و مسلمؒ کے استاذ محمد ابن الصباح نے بیان فرمایا کہ مستثنیٰ سے نبی کریم ﷺ کی مراد ”الخطایا“ تھی یعنی امراء کے تقرب سے گنہ گاری اور خطا کاری کے علاوہ اور کوئی چیز حاصل نہ ہوگی، مگر اس کو نبی کریم ﷺ نے ذکر نہیں فرمایا: جس کی وجہ یہ ہے کہ امراء کے تقرب کی شاعت و قباحت کا اظہار پر زور انداز میں مقصود تھا کہ اس کا خطرہ اور نقصان اتنا شدید ہے، جس کو زبان سے بیان نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ دنیوی و اخروی ہر اعتبار سے یہ غیر مفید ہی

نہیں، بل کہ مضرت رساں بھی ہے۔ دنیا میں تو عوام کے دل میں اس عالم وقاری کی قدر و قیمت نہیں ہوگی اور آخرت میں اسے زبردست خسران و ندامت اور عذاب و سزا سے دوچار ہونا پڑے گا۔

لہذا اہل علم کو دنیاوی اغراض و مقاصد کی نیت سے امراء اور حکمرانوں کی مصاحبت اور ہم نشینی سے اجتناب کلی کرنا چاہیے، تاکہ دینی اور دنیوی وقار محفوظ رہ سکے۔

## علم کی آفت اور اضاعت کا بیان

﴿۲۶﴾ عَنْ الْأَعْمَشِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ آفَةُ الْعِلْمِ النِّسْيَانُ وَاضَاعَتُهُ أَنْ تُحَدِّثَ بِهِ غَيْرَ أَهْلِهِ. (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ مُرْسَلًا، مشکوۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرت اعمش (تابعی) رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: علم کی آفت نسیان ہے؛ یعنی بھول جانا اور علم کا ضائع کرنا یہ ہے کہ اس کو نا اہل کے سامنے بیان کیا جائے۔ (اس روایت کو دارمی نے بطریق ارسال نقل کیا ہے، مشکوۃ)

﴿تشریح﴾ علم حاصل ہونے سے پہلے تحصیل علم کی راہ میں تو بہت سی آفتیں اور رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں، جو کتنی ہی پریشانیوں اور مصائب سے دو چار کرتی ہیں۔ ”لِكُلِّ شَيْءٍ آفَةٌ وَلِلْعِلْمِ آفَاتٌ“ (ہر چیز کے لیے کوئی نہ کوئی آفت ہوتی ہے اور علم کی آفتیں بہت ہیں) لیکن حصول علم کے بعد جو سب سے بڑی آفت پیش آتی ہے وہ علم کو بھول جانا ہے، گرچہ علم پر عمل نہ کرنا



بھی علم کی آفت ہے؛ تاہم عمل کا فقدان علم کو فراموش کرنے ہی کے سبب سے ہوتا ہے، اگر علم قلب کے اندر پیوست ہو جاتا ہے، تو اس کی اثر آفرینی سے عمل کا جذبہ وداعیہ خود بخود پروان چڑھتا رہتا ہے۔ بہر حال علم کو بھول جانا ایک بہت بڑی آفت ہے اور ناقابلِ تلافی نقصان ہے دراصل آپ ﷺ کے فرمان کا منشا اہل علم کو متنبہ کرنا ہے کہ ان چیزوں سے اجتناب کیا جائے، جو نسیان کے اسباب میں سے ہے اور ان اسباب سے بچنے کی پوری سعی و کوشش کی جائے مثلاً نسیان کے اسباب میں سے علم سے غفلت و بے توجہی یادداشت سے بے فکری، مطالعہ و مذاکرہ کا نہ کرنا، لیکن ان اسباب میں سب سے اہم سبب معاصیات کا ارتکاب کرنا ہے، کیوں کہ علم ایک روشنی ہے، جو قلب کی زینت بنتی ہے اور معاصیات و فحاشی کے سبب دل کے اندر ظلمت و تاریکی گھر کر لیتی ہے اسی طرح عیش کوشی، خواہش پرستی دنیا کی لذتوں اور آسائشوں کے اندر حد سے زیادہ انہماک بھی نسیان کے برے مرض میں مبتلا کر دیتا ہے۔ امام شافعی نے اپنے استاذ حضرت وکیع سے نسیان علم کی شکایت کی تو انہوں نے اس پر مدلل روشنی ڈالتے ہوئے معاصیت کے ارتکاب کو سب سے بڑی وجہ قرار دی۔

شَكُوْتُ إِلَى وَكِيعٍ سُوءَ حِفْظِي فَأَوْصَانِي إِلَى تَرْكِ الْمَعَاصِي

﴿ترجمہ﴾ میں نے اپنے استاذ حضرت وکیع سے عدم یادداشت کی

شکایت کی، تو انہوں نے مجھے ترکِ معاصی کی نصیحت فرمائی۔

فَإِنَّ الْعِلْمَ نُورٌ مِّنْ إِلَهِ وَنُورُ اللَّهِ لَا يُعْطَى لِعَاصِيٍّ  
 کیوں کہ علم اللہ کا نور ہے اور نور خداوندی کسی گنہگار کو عطا نہیں کیا  
 جاتا، اس شعر سے معلوم ہوا کہ علم کا قیمتی ذخیرہ آدمی اپنے اندر اسی وقت محفوظ  
 کر سکتا ہے، جب کہ وہ معاصیات و منکرات سے پرہیز کرے اس لیے  
 طالبانِ علوم نبوت کو معاصیات سے حتی الامکان بچنا چاہیے۔ اس حدیث میں  
 آپ ﷺ کی اضاعت اور بربادی کے متعلق فرمایا کہ اس کو نا اہل کے سامنے  
 بیان کیا جائے اور نا اہل سے مراد: ایسے لوگ ہیں، جو علم حاصل کرنے اور علمی  
 باتیں سمجھنے کی لیاقت و قابلیت نہ رکھتے ہوں، اسی طرح علم پر عمل نہ کرنے  
 والے لوگ بھی نا اہلوں کے زمرہ میں داخل ہیں۔ لہذا اہل علم کو اپنا علمی سرمایہ  
 ایسے نا اہلوں کے سامنے بیان کر کے برباد و ہلاک کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔

### علماء کے عوامی تعلق کی نوعیت

﴿۲۷﴾ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ  
 اللَّهِ ﷺ نِعَمَ الرَّجُلُ الْفَقِيهُ فِي الدِّينِ إِنْ احْتِجَّ إِلَيْهِ نَفْعٌ وَإِنْ  
 اسْتُغْنِيَ عَنْهُ أَغْنَىٰ نَفْسَهُ. (رواہ رزین، مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے  
 فرمایا: کیا ہی بہتر ہے وہ شخص، جو دین میں سمجھ و تفقہ رکھتا ہے، اگر اس کے  
 سامنے کوئی حاجت پیش کی گئی، تو اس نے (حاجت مندوں کو) نفع پہنچایا اور  
 اگر اس سے بے نیازی اختیار کی گئی، تو اس نے بھی خود کو مستغنی اور بے نیاز کر  
 لیا۔ (اس کو رزین نے روایت کیا ہے، مشکوٰۃ)

﴿تشریح﴾ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عالمِ دین کو شرعی احکام و مسائل اور دینی اصول و قواعد سے لوگوں کو روشناس کراتے رہنا چاہیے، اگر اس کے سامنے دینی تقاضوں اور شرعی ضرورتوں کو پیش کیا جائے، تو اس کی تکمیل کے لیے پوری دلچسپی اور اخلاص کے ساتھ سعی و کوشش کرے اگر دینی فوائد کے پیش نظر محافل و مجالس اور راحت کدوں تک جانے کی نوبت آجائے، تو بھی دریغ نہ کرے، بل کہ اسلام کی بے لوث خدمت کا تقاضا یہی ہے کہ بازاروں، محفلوں، مجلسوں، آرام گاہوں اور ہر جگہ جا کر ایمانی تقاضوں کو بیان کرے اور دینی علوم و احکام سے لوگوں کو آشنا کرائے، یہی ہر عالمِ دین کا فرض منصبی بھی ہے۔ لہذا جہاں تک اس کی رسائی اور دسترس ہو سکے اپنے علمی کردار کا مظاہرہ کرے، کیوں کہ اگر اہل علم عوام الناس سے بالکل کنارہ کش ہو کر، یا ان کی دینی ضروریات سے بے بہرہ ہو کر، گوشہ نشین اختیار کر لیں گے، تو ان کو اپنی ذمہ داری سے سبکدوش قرار نہیں دیا جاسکتا، بل کہ عوام سے ان کا دینی ربط اس درجہ مضبوط اور مستحکم ہونا چاہیے کہ ہر پیش آمدہ مسئلہ میں وہ ان کی مدد کے فرائض کو انجام دے سکیں ایسے ہی فقیہ کے بارے میں زبانِ نبوی سے یہ الفاظ معرض وجود میں آئے ”نعم الرجل الفقیہ“ کتنا اچھا اور بہتر ہے وہ جو حاجت مندوں کی حاجت روائی کرتا ہو اور عوام کے دینی تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ لہذا علماء دین کو یہ زیبا نہیں دیتا کہ وہ عوام سے بالکل کنارہ کش ہو کر رہ جائیں اور ان سے کچھ واسطہ ہی نہ رکھیں، لیکن اگر لوگ ان سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوں اپنی دینی ضرورتوں کو پیش کرنے

سے گریز کرتے ہوں، تو علماءِ دین کو بھی ان سے مستغنی اور بے نیازی کا اظہار کرنا چاہیے، کیوں کہ علمی وقار اور عظمت کا تقاضا یہی ہے کہ علما اپنے مقام و مرتبہ کو محفوظ رکھیں۔ اپنی ضرورتوں کو نااہل عوام پر بالکل پیش نہ کریں خود کو ان کا محتاج ظاہر نہ کریں دنیوی حرص و ہوس اور حصولِ عز و جاہ کی طمع و لالچ میں دنیا دار عوام کی مصاحبت و ہم نشینی سے اجتناب کریں، کیوں کہ یہ تمام چیزیں علماءِ دین کے لیے سمِ قاتل اور ان کے منصبِ جلیل کو مجروح کرنے میں سببِ عظیم ثابت ہو سکتی ہیں، اسی کو نبی کریم ﷺ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے ”ان استغنی عنه، اغنی عنه“ اگر عوام عالمِ دین کی ضرورت محسوس نہ کرتے ہوں، تو اس کے مقام و مرتبہ کا تقاضا یہ ہے کہ وہ بھی اپنے عمل و کردار سے بے نیازی کا پورا پورا اظہار کر دے اس سے اس کی عزت افزائی ہوگی اور علمِ دین جو اہم وصف ہے اس کی قدردانی اور اہمیت بھی آشکارا ہو جائے گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ عالمِ دین کو عوامی معاشرہ میں اس انداز سے زندگی بسر کرنی چاہیے کہ لوگ اس کی ضرورت و احتیاج کو محسوس کریں اور وہ اپنی ضرورت کے لیے لوگوں کے سامنے اپنی عاجزی اور محتاجگی کا قطعاً اظہار نہ ہونے دیں یہی اس کی امتیازی شان ہے۔

### کتمانِ علم پر وعیدِ شدید

﴿۲۸﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ

رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ سِئِلَ عَنْ عِلْمٍ عَلِمَهُ ثُمَّ كَتَمَهُ، أُلْجِمَ يَوْمَ

الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِّنْ نَّارٍ. (رواہ احمد، و ابو داؤد، و الترمذی، و رواہ ابن ماجہ عن انس، مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص سے کوئی ایسی علمی بات معلوم کی گئی، جس کو وہ جانتا ہے پھر بھی اسے مخفی و پوشیدہ رکھا، تو قیامت کے دن اس کو آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔ (احمد، ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ نے اس حدیث کو حضرت انس سے روایت کیا ہے)

﴿تشریح﴾ کتمانِ علم ایک جرمِ عظیم ہے مذکورہ حدیث شریف میں اس پر سخت وعید وارد ہوئی ہے۔ ایک شخص جس کو اللہ نے علم کی عظیم دولت سے سرفراز فرمایا ہے، اس کو چاہیے کہ اس کی نشر و اشاعت میں ہمہ تن مصروف رہے اور تشنگانِ علوم نبوت کی تشنگی کو بجھاتا رہے۔ اشاعت کی اس چیز کو اپنے ہی تک محدود نہ رکھے، بل کہ یہ تو اللہ کا وہ عطیہ ہے، جس کی ترویج و تبلیغ اور اشاعت و تشہیر سے اضافہ ہوتا رہتا ہے، جتنا بھی اسے خرچ کیا جائے گا، اتنا ہی کثرت کا باعث ہوگا۔

علم وہ دولت ہے، جو کبھی لٹتی نہیں  
خرچ کرنے سے کبھی گھٹتی نہیں

علم کی نشر و اشاعت کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے، مدینہ طیبہ تشریف لائے، تو سب سے پہلا کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی علم کی نشر و اشاعت کا تھا، جس کے لیے مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے سامنے ”صفہ“ کے نام سے ایک تعلیم گاہ قیام عمل میں آئی اور اس کے اندر

تشنگانِ علومِ نبوت کی سیرابی کا سامان مہیا کیا گیا۔ اصحابِ رسول ﷺ پر وائے وار آ کر معلمِ انسانیت کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرتے تھے۔ اس سے علم کی نشر و اشاعت اور تبلیغ و ترویج کا سنتِ رسول ﷺ ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کتمانِ علم پر شدید ترین وعید سنائی کہ جو علم دین کو جانتے ہوئے کسی طالب علم کے استفسار و درخواست پر پوشیدہ رکھے گا، تو قیامت کے دین اس کے منہ میں آگ کی لگام ڈال دی جائے گی۔ اتنی سخت وعید کی وجہ یہ ہے کہ دراصل عمل کا تعلق علم ہی سے ہے، کیوں کہ آدمی کسی بھی چیز کا پہلے علم حاصل کرتا ہے، پھر اس پر عمل کرتا ہے، مثلاً نماز کا علم ایک شخص کو نہیں ہے، تو وہ کس طرح اس پر عمل پیرا ہو سکتا ہے، اسی پر دیگر اعمال کو قیاس کر لیا جائے۔

یہاں یہ مسئلہ ذہن نشین رہے کہ نبی کریم ﷺ کی وعید کا تعلق انہیں دینی امور سے ہے، جن کا تعلیم و تعلّم ضروری ہے، مثلاً اسلام کے بنیادی اور ضروری عقائد اسی طرح جملہ فرائض و واجبات سے تعلق رکھنے والے کسی مسئلہ کے بارے میں کوئی سوال کرتا ہے، تو معلوم ہونے کی صورت میں ان کا بتلانا ضروری ہے۔ رہے نوافل یا دیگر امورِ مستحبات تو ان کا چھپانے والا اس وعید کے اندر داخل نہیں ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کتمانِ علم کی وجہ سے سزا کے لیے عضوِ مخصوص ”مُنہ“ کو کیوں خاص کیا گیا، تو جواب یہ ہے کہ اس نے سائل کے سوال کا جواب دینے کے بجائے اپنے مُنہ پر سکوت کی لگام لگا رکھی تھی اور

چوں کہ مُنہ ہی عام طور پر تعلیم کا سبب اور وسیلہ ہوتا ہے، اس معنی کر کتمانِ علم کی سزا کو منہ کے ساتھ خاص کیا گیا۔

## بغیر علم کے فتویٰ دینا گناہِ عظیم!

﴿۲۹﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ أَفْتَى بِغَيْرِ عِلْمٍ كَانَ إِثْمُهُ عَلَى مَنْ أَفْتَاهُ وَمَنْ أَشَارَ عَلَى أَخِيهِ بِأَمْرٍ يَعْلَمُ أَنَّ الرُّشْدَ فِي غَيْرِهِ فَقَدْ خَانَهُ. (رواهُ ابوداؤد، مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو لاعلمی کی وجہ سے غلط فتویٰ دیا گیا (اور اس نے اس پر عمل کیا)، تو اس کا گناہ اسی شخص پر ہوگا، جس نے اس کو فتویٰ دیا ہوگا اور جس شخص نے اپنے بھائی کو کسی کام کا مشورہ دیا، جب کہ وہ جانتا ہے کہ بھلائی اس کے علاوہ دوسرے کام میں ہے، تو اس نے خیانت کی۔ (اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے، مشکوٰۃ)

﴿تشریح﴾ اللہ تعالیٰ نے اس کارخانہ عالم کا نظام اس قدر منظم و مستحکم بنایا ہے کہ جس سے بجا طور پر عالم کا بقاء و تحفظ قائم رہ سکے، اسی لیے دنیا میں تقسیم کار کا ایک اصول بنا کر ہر ایک کو اپنے کار پر صحیح اور عمدہ طریقہ پر کار بند رہنے کا فرمان جاری فرما دیا، کارہائے مختلف اور متعدد اقسام کے امور میں سے ایک اہم اور قابل ذکر امر تفقہ فی الدین بھی ہے، جس کے بارے میں قرآن کریم گویا ہے ”وَلْتَكُنْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ“ یعنی

لوگوں میں سے ایک ایسی جماعت بھی ہونی چاہیے، جو دین کے اندر فقہی بصیرت رکھتی ہو، لیکن اس جماعت کی صرف اتنی ذمہ داری نہیں کہ تفقہ فی الدین حاصل کر کے کنارہ کشی اختیار کر لے اور لوگوں سے یکسو ہو کر، گوشہ نشینی کو اپنا شعار بنا لے، بل کہ قرآن و حدیث نے ایسے لوگوں پر شرعی احکام دوسروں تک پہنچانے اور دینی امور سے تعلق رکھنے والے سوالات کے صحیح جوابات دینے کی ذمہ داریاں بھی عائد کیں ہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے ”فَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ“ کہ اے لوگو! دینی امور سے متعلق پیش آنے والے سوالات و شبہات فقہی بصیرت و مہارت رکھنے والے اہل علم کے پاس جا کر حل کر لیا کرو اسی طرح بنی کریم ﷺ کا فرمان ”أَلَا فَلْيَبْلُغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ“ کہ کان کھول کر سن لو جو لوگ آج میرے ساتھ حاضر ہیں، میری شریعت کو دوسروں؛ یعنی غائبین تک پہنچائیں۔ لہذا امت کے علما کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اسلامی علوم و احکام میں مجتہدانہ بصیرت اور درک پیدا کریں، دین کی نشر و اشاعت اپنا فرض منصبی سمجھیں۔ ہر سائل کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی منشا کے مطابق صحیح اور تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں اور کبھی بھی دنیاوی مفاد اور عوامی شہرت و ناموری کی وجہ سے خواہشاتِ نفس کا شکار ہو کر لاعلمی کی بنیاد پر غلط مسئلہ نہ بتائیں، کیوں کہ اس حدیث کی روشنی میں لاعلمی کی وجہ سے فتویٰ دینا یا مسئلہ بتانا زبردست ہلاکت خیزی کا باعث قرار دیا گیا ہے اور صاف طریقے سے یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ لاعلمی کی صورت میں دیئے گئے غلط فتوے کا سارا وبال فتویٰ دینے والے پر



آئے گا۔ آج کے اس پرفتن اور ماڈرن دور میں آئے دن نئے نئے مسائل رونما ہوتے رہتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ کتنے ہی نام نہاد علماء عقلیت اور مادیت سے مغلوب ہو کر دنیاوی اور سیاسی شہرت چمکانے کے لیے غلط مسائل بیان کر دیتے ہیں، جس سے امت کے اندر اختلاف و انتشار کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، چناں چہ ایسے مفاد پرست علما کے لیے یہ حدیث عبرت کا سامان فراہم کر رہی ہے۔

حدیث کے اندر دوسری چیز مشورہ سے متعلق بیان کی گئی ہے، ”مشورہ“ ایک امانت ہے اور مشیر ”امین“ ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے ”المستشار امین“ کہ جس سے مشورہ طلب کیا جاتا ہے وہ امین ہے۔ لہذا مشورہ دینے میں آدمی کو اپنی امانت داری کا خیال کرنا چاہیے اور جان بوجھ کر بالقصد طالب مشورہ کو نقصان دہ اور ہلاکت میں ڈالنے والے مشورے نہیں دینا چاہیے، بل کہ خیر خواہانہ جذبہ کے ساتھ خلوص وللہیت پر مبنی اپنے مسلمان بھائی کو مفید اور کارآمد مشورہ سے نوازنا چاہیے ورنہ ایسا شخص فرمان نبوی ﷺ کے مطابق خائن کے زمرہ میں شمار ہوگا اور محبت الہی سے محروم کر دیا جائے گا، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے ”إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ“ کہ یقیناً اللہ خیانت کرنے والوں کو محبوب نہیں رکھتا ہے۔

اصل دین پیش کرنے والے ہر زمانے میں پیدا ہوتے رہیں گے

﴿۳۰﴾ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْعَدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَحْمِلُ هَذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلْفٍ عُدُو لَهُ  
يَنْفُونَ عَنْهُ تَحْرِيفَ الْغَالِينَ وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِينَ وَتَاوِيلَ الْجَاهِلِينَ  
(رواه البيهقي في كتاب المدخل مرسلًا، مشكوة)

﴿ترجمہ﴾ حضرت ابراہیم بن عبد الرحمن العذری رضی اللہ عنہ بیان کرتے  
ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر بعد میں آنے والے افراد میں سے ثقہ اور  
معتمد حضرات اس (کتاب و سنت کے) علم کو حاصل کریں گے، پھر وہ اس علم  
کے ذریعہ غلو کرنے والوں کی تحریف کو محو کریں گے، غلط کاروں کی غلطیوں کو رفع  
کریں گے اور جاہلوں کی (قرآن و حدیث میں کی گئی) تاویلات کو مردود قرار  
دیں گے۔ (اس روایت کو بیہقی نے اپنی کتاب ”مدخل“ میں مرسلًا نقل کیا ہے)

﴿تشریح﴾ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ ایسے  
نیک اور عالم باعمل لوگوں کو پیدا فرمائیں گے، جو دین میں غلو پسند، مبتدعین  
اور جدت پسند حضرات کے باطل نظریات و خیالات اور ان کی گمراہ کن  
بدعات و خرافات کا کتاب و سنت کی روشنی میں ابطال کریں گے اور افراط  
و تفريط سے گریز کرتے ہوئے، قابل اعتماد اور معتبر و مستند احکام سے انسانیت  
کو آگاہی کا دینی فریضہ انجام دیں گے، حق اور سچی بات کو واضح کرتے  
ہوئے، دین حنیف کو اصل معتدل صورت میں پیش کریں گے۔ اس سے یہ  
سمجھنا قطعاً غلط ہوگا کہ (نعوذ باللہ) دین اسلام کوئی فرسودہ مذہب اور تغیر  
پذیر شریعت ہے، جس کی وجہ سے مرورِ ایام کے ساتھ اس کے اندر بوسیدگی  
اور فرسودگی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، جو اس بات کا متقاضی ہے کہ پھر سے

اس کے اندر تازگی اور نئی روح پیدا کی جائے، ایسا ہرگز نہیں ہے، بل کہ اسلام زندہ و تابندہ زندگی بخش دین ہے، جو ہر زمانہ میں اپنے قیمتی جوہر کو صفحہ ہستی پر دکھاتا رہا ہے اور ان شاء اللہ رہتی دنیا تک پورے آب و تاب کے ساتھ موجود رہے گا۔

البتہ اتنا تو ضرور ہے کہ کچھ خارجی آمیزش کے باعث اسلام کی شبیہ دھندلی ہو جائے گی اور اس کے دائرہ حدود میں بدعا و خرافات اور باطل رسومات سرایت کر جائے گی، جن کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے اور اسلام کی صحیح منظر کشی کے لیے صاحب علم و فن قرآن و حدیث سے لیس ہو کر میدان میں رونما ہوں گے اور ہر طرح کے باطل پرستوں کی سازشوں کو ناکام بنا دیں گے اور انھیں کیفرِ کردار تک بھی پہنچا دیں گے۔ ان کی غلو پسندی و خباثت آمیز تحریف و تاویل خود غرضی پر مبنی کذب بیانی اور دروغ گوئی کا تحقیقی جائزہ لے کر، بھرپور تردید کریں گے، جس سے ان کی شیطانی ذہانت و خباثت کے تمام پردے ایک ایک کر کے چاک ہوتے چلے جائیں گے اور صحیح اسلامی صورت حال سے انسانیت آشنا ہوتی چلی جائے گی۔

اسی مفہوم کو مذکورہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے ادا کیا گیا ہے۔ عہد نبوی سے لے کر اب تک کے حالات پر جب نظر ڈالی جاتی ہے، تو ہر دور میں ایسی مثالیں مل جاتی ہیں، جب غلو پسند کے غلو مبتدعین کی بدعات و خرافات اور باطل پرستوں کے باطل افکار و نظریات کا قلع قمع کرنے کے لیے امت کے جیالے، دین اسلام کے متوالے میدان میں کود پڑے اور شریعت حقہ کے خلاف ہر طرح کی سازشوں کو زمین دوز کر دیا۔ نبی کریم

ﷺ کی پیشین گوئی ہے کہ کتاب و سنت کا یہ علم کسی زمانے تک محدود نہیں رہے گا، بل کہ ہر بعد میں آنیوالے اپنے اسلاف و اکابر سے علم دین کو حاصل کریں گے اور پھر دین اسلام کی صحیح نشر و اشاعت کا سبب بنیں گے اور ہر طرح کی ریشہ دوانیوں اور شیطانی سازشوں سے پاک صاف کر کے، لوگوں کے سامنے مذہب اسلام کو پیش کریں گے۔

اسی کے ساتھ حدیث شریف سے یہ بھی ارشاد مل رہا ہے کہ ہر دور میں دین اسلام کے خلاف لوگ میدان میں آئیں گے اور اسلام کے نورانی چہرہ کو مسخ کر کے دنیا کے سامنے غلط تصویر پیش کریں گے، چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ حق و باطل کا معرکہ شروع ہی سے معرض وجود میں آتا رہا اور ان کی باہمی کشمکش سے کوئی زمانہ خالی نہیں رہا، حتیٰ کہ آج بھی مغربی قوتیں اور اسلام دشمن عناصر اسلام کو داغدار کرنے کے درپے ہیں اور روزانہ ملکی اور بین الاقوامی پیمانہ پر اسلامی تشخص کو ختم کرنے کے لیے سازشوں کا جال بنا جاتا ہے اور اسلامی علوم و افکار پر ناپاک حملوں کے لیے نئی نئی تحریکیں اور انتہا پسند جماعتوں کو تشکیل دینے کا عمل سرعت کے ساتھ پوری دنیا میں جاری ہے اور مغربی طاقتوں کی شہ پر اسلامی نظریات و احکام پر اعتراضات کے ساتھ بھونڈا مذاق بھی اڑایا جاتا ہے۔ لہذا طالبانِ علوم نبوت اور علماء دین کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اس حدیث کا مصداق بننے کے لیے ایسے باطل پرست عناصر اور اسلام کی شبیہ مسخ کرنیوالوں کا دندانِ شکن جواب دینے کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کریں اور اسلام کی حفاظت کے لیے کوہ گراں بن

جائیں، کیوں کہ اشاعتِ دین اور حفاظتِ دین دونوں ضروری ہے اور اس کے لیے طالبانِ علوم نبوت کو علمی اور عملی دونوں طرح کی جدوجہد کو بروئے کار لانا پڑیگا۔ تبھی جا کر باطل طاقتوں کا مقابلہ کرنے کی جرأت و ہمت پیدا ہوگی اور اس کے حصول کے لیے کتبِ بنی اور مطالعہ کا ذوق و شوق پیدا کریں، تاکہ زیادہ سے زیادہ دینی معلومات کا خزانہ ہمارے دل و دماغ میں جمع ہو سکے، کیوں کہ باطل پرستوں کے اعتراضات کا جواب دینے کے لیے یہی مؤثر ہتھیار ہے۔

عوام میں وہی علمی باتیں بیان کی جائیں جو مفید ہوں

﴿۳۱﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَعَائِنَ فَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَبَشَّتُهُ فَيُكِّمُ وَأَمَّا الْآخَرُ فَلَوْ بَشَّتُهُ قُطِعَ هَذَا الْبَلْعُومَ يَعْنِي مَجْرَى الطَّعَامِ. (رواہ البخاری، مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو برتن؛ یعنی دو طرح کے علوم محفوظ کیے ہیں ایک برتن (ایک طرح کا علم)، تو میں نے تمھارے درمیان پھیلا دیا اور دوسرے علوم کو اگر میں پھیلاؤں گا، تو میرا یہ گلا کاٹ دیا جائے گا؛ یعنی وہ جگہ جس کے ذریعہ کھانا معدہ میں پہنچتا ہے (اس کو امام بخاری نے روایت کیا ہے)

﴿تشریح﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ درسِ گاہِ نبوت کے نہایت ہی اہم اور لائق و فائق طالب علم تھے، جنھوں نے حصولِ علم کے لیے بارگاہِ رسالت میں خود کو وقف کر دیا تھا، یہی وجہ ہے کہ احادیثِ نبوی کی ایک کثیر تعداد ان

سے مروی ہے، چنانچہ یہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو برتن محفوظ کئے ہیں۔ یہاں علم کی دونوں قسموں کو دو برتنوں سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ جس طرح کوئی چیز برتن میں مکمل طور پر محفوظ ہو جاتی ہے، اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی دونوں علوم کو مکمل طریقہ پر اپنے سینہ مبارک میں محفوظ کر لیا تھا۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں علوم بہت ہی اہم اور وقیع تھے، دیگر علوم ان کے مساوی نہیں ہو سکتے اس لیے علم کی ان دونوں قسموں کو وعائین برتن سے تعبیر کیا گیا۔

علم کی ان دونوں قسموں میں سے ایک تو علم ظاہر ہے، جس کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے وہ علم تمہارے درمیان پھیلا دیا۔ علم ظاہر سے مراد وہ علوم ہیں، جن کا تعلق دین و شریعت کے ان احکام و مسائل اور اسلامی اخلاق و عادات سے ہے، جو عملی زندگی کے لیے ہر انسان کو درکار ہیں اور دوسری قسم کا تعلق علم باطن سے ہے۔

اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے مخفی رکھا، کیوں کہ اس علم کا تعلق عوام سے نہیں ہے، بل کہ علماء و عارفین میں سے خواص کے ساتھ مختص ہے اور اس علم کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کی خصوصی صحبت و خدمت سے حاصل کیا تھا اور جس کا نور نگاہ نبوت کے خصوصی فیضان سے آپ کے دل میں پیدا ہوا تھا اور یہ علم ایسے اسرار و رموز پر مشتمل تھا کہ عوام اس کے فہم و ادراک سے قاصر تھے۔ اس علم کی حقیقت تک لوگوں کی رسائی نہیں ہو سکتی تھی، جس کی وجہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان باطنی علوم کو لوگوں کے

سامنے بیان کرنے سے گریز کیا اور ان کے اس طرز عمل کو کتمانِ علم سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا، بل کہ آپ ﷺ کے اس مخفی رکھنے کو وسعتِ نظری، دور بینی، ذہن رسائی، اور مصلحت آمیزی پر محمول کیا جائے گا، کیوں کہ اگر ہر طرح کا علم لوگوں کے سامنے بیان کیا جائے گا، تو اس میں زبردست فتنہ و فساد کا خطرہ ہی نہیں، بل کہ یقین ہے، کیوں کہ عوام بواطن کے اسرار و نکات سے بالکلیہ بے بہرہ ہوتے ہیں اور نہ ہی ان کے اندر ایسی قوت و صلاحیت ہوتی ہے، جس کے ذریعے ان کا فہم و ادراک کر سکیں، نیز عوام کو ایسے علوم کی احتیاج و ضرورت بھی نہیں ہے، کیوں کہ وہ ایسے علم سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتے، اس لیے حضرت ابو ہریرہؓ نے علم باطن کو بیان نہ کرنا ہی عوام کے حق میں مفید سمجھا، چنانچہ اہل علم کو چاہیے کہ عوم کے اذہان کو پیش نظر رکھ کر دینی علوم کو بیان کریں۔ غیر ضروری مسائل اور نکات پر مبنی احکام کو بیان کرنے سے اجتناب کریں، تاکہ سادہ لوح کمزور ذہن رکھنے والے افراد کسی طرح کے خلجان میں مبتلا ہو کر فتنہ و الحاد کی راہ پر نہ جا پڑیں۔

بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ دوسرے علم سے مراد یہ ہے کہ امت میں فساد کاری اور فتنہ پردازی کی تخم ریزی کن لوگوں کے ذریعہ عمل میں آئے گی۔ حضرت ابو ہریرہؓ کو اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے آزادانہ طور پر اس کی مکمل تفصیل سے آگاہ کر دیا تھا۔ ان حضرات کے نام اور قبائل کی نشاندہی کرنے کے ساتھ زمانہ کی طرف بھی اشارہ کر دیا تھا اور حضرت ابو ہریرہؓ کے لیے ان چیزوں کے اظہار میں جوامر مانع تھا، اس کا بیان خود انھوں نے

اپنے ان الفاظ میں کیا ہے ”قطع هذا البلعوم“ کہ یہ حلقوم کاٹ دیا جائے گا، گویا انھیں جان کا خوف تھا، اس لیے صراحۃً تو نہیں، البتہ اشارۃً وکنایۃً وہ اس کا اظہار کر دیا کرتے تھے۔ یہاں ایک بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ اگر کسی علمی بات کے اظہار میں جان کا خطرہ ہو، تو اسے ظاہر نہ کیا جائے، کیوں کہ دین و شریعت نے انسانی جان کا بہت خیال رکھا ہے، حتیٰ کہ بہت سے مواقع پر تحفظِ جان کے لیے حرام کے ارتکاب کی بھی شریعت میں اجازت دی گئی ہے۔ الغرض اگر کسی علمی بات کے صراحۃً اظہار میں ہلاکت کا اندیشہ ہو، تو اشارہ وکنایہ کے پیرایہ میں اس کو بیان کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کیا ہے۔

### بروں میں سب سے بدترین بدکردار علما ہیں

﴿۳۲﴾ عَنْ الْأَخْوَصِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ : سَأَلَ رَجُلٌ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الشَّرِّ فَقَالَ لَا تَسْأَلُونِي عَنِ الشَّرِّ وَسَلُونِي عَنِ الْخَيْرِ يَقُولُهَا ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ أَلَا إِنَّ شَرَّ الشَّرِّ شَرَّارُ الْعُلَمَاءِ وَإِنَّ خَيْرَ الْخَيْرِ خَيْرُ الْعُلَمَاءِ. (رواه الدارمی، مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرت اخوص بن حکیم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے بیان کیا کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شر کے بارے میں سوال کیا، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے شر کے متعلق سوال نہ کرو، بل کہ مجھ سے خیر کے بارے میں دریافت کرو! یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمائی، پھر ارشاد فرمایا: جان لو! بروں میں سب سے بدتر برے علما ہیں اور بھلوں میں سب سے اچھے، بھلے علما ہیں۔ (اس کو دارمی نے روایت کیا ہے)



﴿تشریح﴾ اس حدیث میں نبی کریم ﷺ سے شر کے بارے میں سوال کرنے والے کا منشا یا تو حقیقت شر کو سمجھنا تھا، یا اہل شر سے واقفیت و جان کاری مطلوب تھی۔ آپ ﷺ کے جواب سے زیادہ قرین قیاس یہی معلوم ہو رہا ہے کہ درحقیقت وہ شخص اشرار و بدکار اشخاص کے بارے میں ہی جاننا چاہتا تھا، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے پہلے تو فرمایا کہ مجھ سے شر کے بارے میں سوال نہ کیا کرو، کیوں کہ میں تو نبی رحمت ہوں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ“۔

ہم نے آپ ﷺ کو دنیا والوں کے لیے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا: نیکی اور بھلائی پھیلانا اور لوگوں کو اچھے راستہ پر لگانا ہی میری بعثت کا مقصد اصلی ہے۔ لہذا مجھ سے محض برائی اور بروں کے بارے میں دریافت کرنا اور بھلائی اور بھلوں کے جاننے میں کوئی رغبت نہ دکھانا، کوئی موزوں اور مناسب سوال نہیں اور پھر یہاں پر یہ حقیقت بھی معلوم ہو جانا چاہیے کہ جب خیر کا مکمل نقشہ پوری وضاحت کے ساتھ سامنے آجائے گا، تو شر خود بخود واضح اور عیاں ہو جائے گا، کیوں کہ ”تعرف الاشیاء باضدادھا“ کہ اشیاء اپنی اضداد کے ذریعے جانی پہچانی جاتی ہیں، اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے اہل شر اور اہل خیر کی نشاندہی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کی بروں میں سب سے بدترین بُرے علما ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ علماء دین کی ذات چوں کہ عوام میں نمونہ اور معیار ہوتی ہے، لوگ اپنی زندگی کے تمام شعبہ جات میں انہی کی اتباع اور پیروی کرتے ہیں۔ اس لیے ان کی طرف سے صادر ہونے والی نیکیاں اور برائیاں صرف ان کی ذات تک محدود نہیں رہتی ہیں۔ بل کہ ان کا اثر لوگوں کے اخلاق

و کردار اور اعمال و عادات میں سرایت کر جاتا ہے، چناں چہ عالم اگر نیک اور باعمل ہے، تو اس کے ماننے والے بھی اسی کی طرح نیک اور بھلے بن جاتے ہیں اور ان کے حسنِ عمل کی برکت پورے انسانی ماحول پر اثر انداز ہو جاتی ہے، جس کے نتیجہ میں پورا معاشرہ صحیح کردار، عمدہ معیار، بلند عادات و اطوار اور پاک نیتی کا مظاہرہ پیش کرتا ہے اور صالح اعمال کی تشکیل و تعمیر، پاکیزہ افکار کی مستحکم و منظم اساس و بنیاد کا اسلامی نقشہ وجود میں آتا ہے۔

اسی وجہ سے بھلوں میں سب سے بھلے علما حضرات کو قرار دیا گیا ہے، لیکن اس کے برعکس اگر علماء دین سے خلافِ شرع امور سرزد ہوں گے اور بد کرداری سے ان کے دامن داغدار ہو جائیں گے اور برے اعمال کا صدور ان کی زندگی کا شیوہ بن جائے گا، تو ان کی نحوست عوام الناس میں پھیل جائے گی، جس کے نتیجہ میں پورا انسانی معاشرہ بد طینتی اور بے حیائی و فحاشی کا مظاہرہ پیش کرے گا، کیوں کہ عالم دین کی دیکھی دیکھا ہر ایک برائیوں میں ملوث ہو جائے گا، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ عالم کی لغزش عالم کی لغزش کے مترادف ہے۔ لہذا اس حدیث کے پس منظر میں اہل علم کو اپنی زندگی کے لمحات کو پوری دیانت داری کے ساتھ علم کے مطابق گزارنا چاہیے اور لوگوں کے درمیان اچھے کردار و عمل کا حامل بنا کر پیش کرنا چاہیے، تاکہ عوام میں ان کے تئیں اچھا پیغام جائے اور ہر ایسی جگہوں اور محفلوں میں حاضری سے گریز کرنا چاہیے، جہاں پر جانے سے عالمانہ مقام و مرتبہ مخدوش ہوتے ہوں اور ان کی حیثیت عرفی پر بدنماداغ آنے کا اندیشہ ہو، کیوں کہ بعض دفعہ بعض عالم خواہشاتِ نفس سے مغلوب

ہو کر، اگر کسی غلط جگہ پر جا کر خلافِ شرع عمل کر بیٹھتے ہیں، تو یہ چیز عوام میں دلیل بن جاتی ہے اور سارے لوگ اس عالم کی مثال دے کر اس ممنوع عمل کا ارتکاب کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمارا یہ عمل بالکل درست ہے، جس کی بنیاد محض یہی ہوتی ہے کہ فلاں عالم نے ایسا کیا تھا، حالاں کہ وہ کام سرے سے ناجائز اور حرام ہوتا ہے، اس لیے علماءِ دین کو تقویٰ و طہارت اختیار کرتے ہوئے انتہائی محتاط زندگی گزارنی چاہیے، خصوصاً آج کے اس نازک دور میں جہاں قدم قدم پر اسباب لہو و لعب اور کھیل تماشے کے نام پر شیطانی حرکتیں ہوتی رہتی ہیں اور علمِ دین سے ناواقف بد دین لوگ دنیاوی مفاد کا لالچ دیکر اہل علم کو ایسی جگہوں پر لے جا کر اپنے کھیل تماشے کو جائز ٹھہرانے کے لیے پوری کوشش کرتے رہتے ہیں۔

### ریا کار قرآن اور علما کے بارے میں وعید

﴿۳۳﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم تَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنْ جُبِّ الْحَزَنِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَمَا جُبُّ الْحَزَنِ قَالَ وَادٍ فِي جَهَنَّمَ يَتَعَوَّذُ مِنْهُ جَهَنَّمُ كُلَّ يَوْمٍ أَرْبَعِ مِائَةِ مَرَّةٍ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَمَنْ يَدْخُلُهَا قَالَ الْقُرَّاءُ الْمِرَاوُونَ بِأَعْمَالِهِمْ (رواہ الترمذی وکذا ابن ماجہ و زاد فیہ و ان من ابغض القرّاء اِلی اللہ تعالیٰ الذین یزورون الامراء قال المحاربی یعنی الجورۃ. مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ ”جب الحزن“ یعنی رنج و غم کے کنویں سے اللہ کی پناہ چاہو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! یہ ”جب الحزن“ کیا ہے؟ فرمایا: یہ جہنم میں ایک ایسی گہری کھائی ہے، جس سے جہنم بھی روزانہ چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے، پھر آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! اس میں کن لوگوں کو ڈالا جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ قرآن پڑھنے والے، جو اپنے عمل میں ریاکاری کرتے ہیں۔ (ترمذی)

اسی طرح ابن ماجہ نے بھی نقل کیا ہے اور ان کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ قاریوں میں سے وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہیں، جو حکمرانوں سے ملاقات کرتے ہیں اور (اس حدیث کے ایک راوی) محارب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہاں حکمرانوں سے مراد ظالم حکمراں ہیں۔

﴿تشریح﴾ مذکورہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو ”جب الحزن“ سے پناہ مانگنے کی انتہائی بلغ انداز میں نصیحت فرمائی، جس پر صحابہؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! ”جب الحزن“ سے کیا مراد ہے؟ ظاہر ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین عربی داں تھے، اس کے معنی تو سمجھ گئے، مگر مفہوم و مراد سے عدم واقفیت کے پیش نظر اس کی حقیقت شناسی کے لیے آپ ﷺ سے سوال کیا، ”ما جب الحزن؟“ چنانچہ آپ ﷺ نے اس کی وضاحت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ جہنم میں ایک کھائی ہے اور اپنے کمالِ عمق کی

وجہ سے اس لائق ہے کہ اس کو کنویں سے تعبیر کیا جائے اور وہ کھائی اس درجہ خوف ناک و دہشت آمیز ہے کہ یہ خاکی انسان تو درکنار خود جہنم، جو سراپا آگ ہی آگ ہے اور یہ کھائی، جس کا ایک حصہ ہے وہ بھی اس ہولناک کنویں جیسی گہری کھائی سے ہر روز چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے، لہذا اس سے اس کی ہیبت ناک اور دہشت انگیزی کا بخوبی انداز لگایا جاسکتا ہے۔

اس کے بعد صحابہؓ نے اس بدترین اور ہلاکت خیز جگہ میں داخل کیے جانے والوں کے بارے میں سوال کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس میں ان افراد کو ڈالا جائے گا، جو ریاکاری اور شہرت و ناموری کے لیے قرآن پڑھتے ہیں۔ واضح رہے کہ یہاں پر صرف ریاکار قاری ہی مراد نہیں ہیں، بل کہ انہی کی زمرے میں ریاکار عالم اور ریاکار عابد بھی داخل ہیں، کیوں کہ علم بھی تو قرآن ہی سے حاصل ہوتا ہے اور عبادت بھی قرآنی احکام کے مطابق ہی ہوتی ہے۔ لہذا یہ فرمانِ نبوی ﷺ ان تمام حضرات کو شامل ہے، چناں چہ، اگر ریاکاری کے جذبہ کے تحت یہ حضرات کسی عمل کو انجام دیں گے، تو انھیں بھی جہنم کی اسی گہری خندق کے حوالہ کر دیا جائے گا۔

ابن ماجہ کی روایت میں مزید ان الفاظ کا اضافہ بھی منقول ہے ”وَإِنَّ مِنْ أَبْغَضِ الْقُرَّاءِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى الَّذِينَ يَزُورُونَ الْأَمْرَاءَ“ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک وہ علما و قراء اور عباد و زہاد انتہائی مبغوض و ناپسندیدہ ہیں، جو دنیا دار حکمران کی زیارت کے لیے جاتے ہیں اور دنیاوی اغراض و مقاصد کی حرص و طمع لے کر ارباب اقتدار کے دروازوں کا چکر کاٹتے رہتے ہیں، کیوں کہ

علم و فضل، ذکر و عبادت تعلق مع اللہ اور قربِ خداوندی یہ وہ ذرائع ہیں جو انسانی قلوب سے مادی کثافتوں کا دبیز پردہ چاک کر کے دنیوی اغراض و مقاصد کو کچل کر آخرت میں ابدی کامیابی و کامرانی فراہم کرتے ہیں اور قرأتِ قرآن: یہ ایسا پاکیزہ عمل ہے، جس کے لفظ لفظ میں اجور و حسنات، حرف حرف پر محو سیئات اور رحمت و برکت کی بشارت دی گئی ہے اور وہ علمِ دین، جس کے فضل و کمال کی شہادت ذخیرہ احادیث میں پورے آب و تاب کے ساتھ موجود ہے۔

اسی طرح وہ عبادت و ریاضت، جسے دیدارِ الہی کا آئینہ دار اور لقاءِ خداوندی کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے، تو بھلا ان اہم قابلِ قدر صفات کے حاملین حضرات کا کسی غرضِ فاسد کے لیے دنیا دار ظالم حکمرانوں کے محلات و سرائے کا گشت لگانا، قابلِ مدح و ستائش اور لائقِ تعریف و توصیف کیوں کر گردانا جاسکتا ہے، اسے تو ایک سنگین جرم، مبغوض عمل اور لائقِ زجر و توبیخ عمل ہی سے تعبیر کیا جائے گا۔

مذکورہ حدیث کے راویوں میں سے ایک راوی محارب بن نفیع ہیں، انھوں نے اس کی وضاحت میں فرمایا ہے کہ یہاں اُمرائے ظالم و جابر حکام ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ پاک طینت، ستودہ صفات، نیک سیرت، دین دار، عبادت گزار، عدل شعار اور انصاف پسند حکمرانوں کے یہاں جانا، پسندیدہ ہی نہیں، بل کہ قابلِ تحسین اور لائقِ تقلید عمل ہے، جو عبادت کے زمرے میں آتا ہے، کیوں کہ ایسے اُمرائے زیارت و ہم نشینی سے جذبہ خیر اور اعمالِ حسنہ کا داعیہ پیدا ہوتا ہے، یہاں پر یہ وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ ظالم اُمرائے حکام کے پاس

صالح مقصد کے لیے جانا بھی ایک پسندیدہ عمل ہے، مثلاً امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور بے راہ روی میں مبتلا رہنا اور باطل پر گامزن کرنے کے لیے، ان سے ملاقات کرنا اور ان کی صحبت اختیار کرنا ضروری ہی نہیں، بل کہ علماء کرام کے فرائض منصبی میں سے ہے، اسی طرح ان حکام کے شرور و فتن سے حفاظت و صیانت کے پیش نظر بھی ان کی زیارت و ملاقات کی جاسکتی ہے۔

خود کو بڑا عالم سمجھنے سے گریز کرنا چاہیے

﴿۳۴﴾ عَنْ أَبِي ابْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَامَ مُوسَى خَطِيبًا فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ، فَسُئِلَ أَيُّ النَّاسِ أَعْلَمُ؟ فَقَالَ أَنَا أَعْلَمُ، فَعَتَبَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَيْهِ إِذْ لَمْ يَرُدَّ الْعِلْمَ إِلَيْهِ فَقَالَ إِنَّ عَبْدًا مِنْ عِبَادِي بِمَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ هُوَ أَعْلَمُ مِنْكَ. (رواه البخاری، بحوالہ انوارِ ہدایت)۔

﴿ترجمہ﴾ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ آپ ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام، بنی اسرائیل میں تقریر کرنے کے لیے کھڑے ہوئے، تو سوال کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں ہی سب سے بڑا عالم ہوں، تو فوراً اللہ تعالیٰ نے اس بات پر گرفت فرمائی کہ یہ معاملہ اللہ کے حوالہ کیوں نہیں کر دیا؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بیشک میرا ایک بندہ جو مجمع البحرین میں رہتا ہے، وہ آپ سے بڑا عالم ہے۔ (بخاری)

﴿تشریح﴾ مذکورہ حدیث میں اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ جن



لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے علم کی دولت سے سرفراز فرمایا ہے، ان کو ہمیشہ تواضع و انکساری اور کسرِ نفسی اختیار کرنی چاہیے اور علمِ دین کی نعمتِ عظمیٰ عطا ہونے پر اللہ ربّ العزّت کا شکریہ ادا کرنا چاہیے، کیوں کہ علم کا حاصل ہو جانا اللہ کا خصوصی فضل ہے، وہ اگر چاہے تو منٹوں میں تمام علوم سلب کر سکتا ہے اور کبھی بھی اپنے بارے میں یہ تصوّر نہیں کرنا چاہیے کہ میں ہی سب سے بڑا عالم ہوں اور عجب و انانیت کے طور پر دل کے اندر اس طرح کا خیال بھی نہیں لانا چاہیے کہ میں مدرّس ہوں، واعظ ہوں، خطیب ہوں، محدّث ہوں، مصنف ہوں، مفتی ہوں، متقی و پرہیزگار ہوں، بل کہ ہمیشہ یہ تصوّر کرنا چاہیے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں اور علم و فضل میں تمام علما مجھ سے بڑے ہیں اور اس حقیقت کو ہر وقت پیشِ نظر رکھنا چاہیے کہ سب سے بڑا عالم کوئی ہو ہی نہیں سکتا، کیوں کہ اللہ ربّ العزّت کا یہ صاف ارشاد ہے ”وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ“ کہ ہر اہلِ علم کے اوپر کوئی نہ کوئی بڑا عالم ہوتا ہے، اس حدیث کے اندر موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ کیا گیا ہے، جو اللہ کے جلیل القدر پیغمبر تھے اور اپنے زمانے کے سب سے بڑے رسول تھے اور قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے ان کا تذکرہ اسی جلالتِ شان کے ساتھ متعدد مقامات پر بیان فرمایا ہے، چنانچہ ایک مرتبہ انھوں نے بنی اسرائیل میں نہایت جامع اور موثّر انداز میں پر مغز و عظم فرمایا، جس کے نتیجے میں لوگوں پر اس کا اچھا اثر ہوا، تو مجمع میں سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول علیہ السلام! اس وقت روئے زمین پر سب سے بڑا عالم کون ہے؟ جس کا مطلب یہ تھا کہ آپ سے بھی بڑا کوئی عالم



دنیا میں ہے؟

لہذا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ سوچ کر کہ اللہ اپنے پیغمبر و رسول کو سب سے زیادہ علم عطا کرتا ہے، جواب میں فرمادیا کہ سب سے بڑا عالم میں ہوں اور اس مسئلے کو اللہ کے سپرد نہیں فرمایا، جس کی وجہ سے اللہ رب العزت کو آپ کا یہ طرزِ جواب پسند نہیں آیا اور پیغمبر ہونے کے باوجود بارگاہِ خداوندی سے فوراً یہ تنبیہ آئی کہ اے موسیٰ! تمہارا یہ کہنا غلط ہے کہ تم ہی سب سے بڑے عالم ہو، بل کہ میرا ایک بندہ مجمع البحرین میں رہتا ہے، جو تم سے بڑا عالم ہے، حالاں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب کی یہ توجیہ کی جاسکتی ہے کہ اس وقت مجمع میں آپ سے بڑا عالم کوئی نہیں تھا، ممکن ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مجمع کے اعتبار سے اپنے آپ کو سب سے بڑا عالم گردانا ہو، لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے کسرِ نفسی کی طرف توجہ دلانے کے لیے آپ کی گرفت فرمائی کہ اس طرح کے سوال کو اللہ کے سپرد کر دینا ہی آپ کی شان کے لائق ہے۔

یقیناً یہ واقعہ علماء کرام کے لیے عبرت کا سامان فراہم کرتا ہے اور خود کو بڑا عالم باور کرانے سے بچنے کی تاکید کرتا ہے، کیوں کہ اللہ نے بڑا عالم سمجھنے پر اپنے پیغمبر تک کی عتاب کے ساتھ گرفت فرمائی، جب کہ دنیا کے اندر جو علماء پیدا ہوئے وہ علم و فضل میں اپنی جگہ چاہے کتنے ہی بڑے اور کامل ہوں، مگر پیغمبر سے بڑے ہر گز نہیں ہو سکتے، تو اسی سے انداز لگایا جاسکتا ہے کہ جب اللہ کو پیغمبر کا بڑا عالم سمجھنا پسند نہیں آیا، تو ان کے مقابلے میں علماء کی کیا حیثیت ہے کہ وہ اپنے آپ کو بڑا عالم شمار کریں، اس لیے اہل علم کو بڑا سمجھنے سے بہت

زیادہ ڈرنے کی ضرورت ہے۔

## علم پر عمل نہ کرنا علم کو اٹھا دینا ہے

﴿۳۵﴾ عَنْ زِيَادِ بْنِ لَبِيدٍ قَالَ: ذَكَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا فَقَالَ ذَاكَ عِنْدَ أَوَّانٍ ذَهَابَ الْعِلْمُ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَكَيْفَ يَذْهَبُ الْعِلْمُ وَنَحْنُ نَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَنُقْرِئُهُ أَبْنَاءَنَا وَ يُقْرِئُهُ أَبْنَاؤُنَا وَنَا أَبْنَاءَهُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَقَالَ ثَكَلَتْكَ أُمُكَ زِيَادُ إِنِّي كُنْتُ لَأَرَاكَ مِنْ أَفْقِهِ رَجُلٍ بِالْمَدِينَةِ أَوْ لَيْسَ هَذِهِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى يَقْرَءُونَ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ لَا يَعْقِلُونَ بِشَيْءٍ مِمَّا فِيهِمَا. (رواه أحمد و ابن ماجه و روى الترمذی عنه نحوه ، و كذا الدارمی عن أبي أمامة، مشکوة).

﴿ترجمہ﴾ حضرت زیاد بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز (فتنہ و فساد میں لوگوں کے مبتلا ہونے) کا ذکر فرمایا اور پھر فرمایا کہ ایسا اس وقت ہوگا، جب علم اٹھ جائے گا، اس پر میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! علم کیسے اٹھ جائے گا، ہم بھی قرآن پڑھتے ہیں اور اپنے بچوں کو بھی قرآن پڑھائیں گے اور پھر وہ بچے (پڑھنے کے بعد بڑے ہو کر) اپنی اولاد کو پڑھائیں گے، قیامت تک ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے زیاد! تجھے تیری ماں گم کرے، میں تو تمہیں مدینہ کے لوگوں میں سب سے زیادہ سمجھ دار آدمی سمجھتا تھا، کیا یہ یہود و نصاریٰ توریت و انجیل نہیں پڑھتے ہیں، مگر ان کتابوں میں (احکام و

ہدایت کی صورت میں) جو کچھ ہے ان میں کسی چیز پر وہ عمل نہیں کرتے (احمد، ابن ماجہ اور اسی طرح کی روایت ترمذی نے بھی حضرت زیاد رضی اللہ عنہ سے ہی اور ایسے ہی داری نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے نقل فرمائی ہے۔)

﴿تشریح﴾ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ علم صرف پڑھ لینے کا نام نہیں ہے، کیوں کہ شریعت کی نظر میں مفید و کارگر علم وہ ہے، جس پر عمل بھی کیا جاتا ہو اور ایسا ہی علم ہر اٹھنے والے فتنہ کو دبانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حقیقت کو ظاہر فرماتے ہوئے کچھ فتنوں کے اٹھنے کی خبر دی اور ان کے وقوع پذیر ہونے کے لیے بطور سبب یہ فرمایا کہ ایسا اس وقت ہوگا، جب علم اٹھ جائے گا، حضرت زیاد رضی اللہ عنہ علم اٹھ جانے کا مطلب یہ سمجھے کہ پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ ختم ہو جائے گا، چنانچہ اسی کا انھوں نے اظہار بھی کیا، جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجب خیز مگر درحقیقت شفقت و محبت سے لبریز یہ الفاظ ان کے لیے استعمال فرمائے ”کَلْتَكَ أُمَّكَ“ کہ تجھے تیری ماں گم کرے۔ دراصل یہ ایک محاورہ ہے جسے اہل عرب اظہار حیرت اور کبھی خفگی کے لیے استعمال کرتے ہیں اور یہاں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجب ہی کے معنی میں استعمال کیا ہے، جس سے ایک مسئلہ یہ بھی واضح ہوا کہ اگر شاگردوں سے خلاف توقع کوئی امر کا صدور ہو، تو اس پر استاد خفگی یا اظہار تعجب کر سکتا ہے، بہر حال اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی

اصلاح کی اور غلط فہمی کے نتیجے میں صحیح صورتِ حال سے آگاہ فرماتے ہوئے کہا کہ سمجھ دار ہوتے ہوئے بھی میری بات کا اصل مقصد نہیں سمجھ سکے اور یہ خیال کر لیا کہ علم اور قرآن محض پڑھنے پڑھانے اور جان لینے کا نام ہے خواہ اس پر عمل کیا جائے یا نہ کیا جائے، حالاں کہ ایسا نہیں ہے، یہ تو یہود و نصاریٰ کا شعار ہے، جو تورات و انجیل پڑھتے پڑھاتے تو ضرور ہیں، لیکن ان کے اندر موجود اوامر و نواہی اور دیگر احکام و ہدایات پر عمل نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ غلط عقائد و افکار ان میں جنم لے رہے ہیں اور باطل نظریات کو اپنانا ان کا شیوہ بن چکا ہے۔ لہذا اگر آپ لوگوں نے بھی محض قرآن کو پڑھنا پڑھانا ہی اور دینی علوم و احکام کو جان لینا ہی سب کچھ سمجھ لیا ہے اور عمل سے بے بہرہ ہو کر صرف دینی تعلیم کو اپنا منظورِ نظر بنا لیا ہے، تو یاد رکھو! کہ تم بے عملی کی وجہ سے فتنوں کے شکار ہو جاؤ گے، کیوں کہ بے عمل عالم اور جاہل میں کوئی فرق نہیں ہے، بل کہ ایسا عالم تو جاہل سے بھی بدتر ہے۔ بے عملی ہی کی وجہ سے قرآنِ کریم نے علماءِ یہود کی منظر کشی ان الفاظ میں کی ہے، ”مِثْلَ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرَةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوهَا کَمِثْلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا“ کہ جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا، پھر اس پر عمل نہیں کیا ان کی حالت اس گدھے جیسی ہے، جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہے۔ ظاہر ہے وہ گدھا نفع اٹھانے سے محروم ہے، کتابیں اٹھا کر بلا وجہ تعب و مشقت میں مبتلا ہے۔ یہی بے عمل عالم کی مثال ہے کہ علم کی تحصیل کا اصل مقصد اس پر عمل کرنا ہے، جب عمل علم کے مطابق نہیں کیا گیا، تو گویا بے فائدہ حصولِ علم میں محنت و

مشقت برداشت کی، قیمتی اوقات ضائع کر دئے گئے، آیت کریمہ کے اندر گدھے کی مثال دے کر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ علم پر عمل نہ کرنا انتہائی درجے کی بے وقوفی ہے، کیوں کہ گدھا تمام جانوروں میں سب سے زیادہ بے وقوف مانا جاتا ہے، اس سے علم بلا عمل کی حد درجہ قباحیت و شناعیت معلوم ہو رہی ہے، اسی لیے بے عمل علما کو جانوروں کے مثل، بل کہ ان سے بھی زیادہ بدتر قرار دیا گیا، کیوں کہ علما عاقل ہیں اور جانور غیر عاقل ہیں اس لیے علم کو عمل میں ڈھالنا چاہیے، اگر ایسا نہیں ہوا، تو اس علم کی مثال اس کاغذی (نقلی) نوٹ کی طرح ہوگی، جس سے کوئی چیز خریدی نہیں جاسکتی، بہر حال نبوی پیشین گوئی کے مطابق، جب بھی علم پر سے عمل اٹھ جائے گا اسی وقت شرور و فتن کے دروازے کھل جائیں گے، جس کے نتیجے میں لادینیت اور گمراہی کا پھیلنا طے ہے، اس لیے علم پر عمل بہر صورت ہونا چاہیے۔

## علم دین زیادہ سے زیادہ پھیلانے کا حکم

﴿۳۶﴾ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً وَحَدِّثُوا عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا حَرَجَ وَمَنْ كَذَبَ عَلَى مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَّبِعْ أَمَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ. (رواہ

البخاری، مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری جانب سے (میرے فرمودات) دوسرے لوگوں تک پہنچاؤ، اگرچہ ایک ہی آیت کیوں نہ ہو اور بنو اسرائیل کی باتیں

نقل کر سکتے ہو اور اس میں کوئی گناہ نہیں ہے اور جس شخص نے جان بوجھ کر میری طرف جھوٹی بات منسوب کی، اس کو چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں تلاش کر لے۔ (بخاری)

﴿تشریح﴾ اس مبارک حدیث کے اندر آپ نے اپنی تعلیمات، بل کہ اسلام کی نشر و اشاعت اور علم دین کو دوسروں تک پہنچانے کی ترغیب و تلقین کی ہے، جس کی وضاحت یہ ہے کہ تم میرے تمام اقوال و افعال، اعمال و اخلاق اور میری زندگی کے تمام گوشوں کو دوسروں تک پہنچاؤ، اگرچہ وہ الفاظ کے اعتبار سے مختصر ہی کیوں نہ ہو، کیوں کہ آپ ﷺ کے چھوٹے اور مختصر جملے بھی اپنے اندر علم و حکمت کا عظیم ذخیرہ رکھتے ہیں اور ان میں امت کی فلاح و بہبود کے لیے، قیمتی جوہر پنہاں ہوتے ہیں۔ جیسے ”مَنْ صَمَتَ نَجَا“ جو خاموش رہا، وہ نجات پا گیا۔ ”تَصُومُوا تَصْحُوا“ روزہ رکھو، صحت یاب ہو جاؤ گے۔ دیکھنے میں یہ جملے مختصر ہیں، مگر ان کی لفظی فصاحت و بلاغت اور معنوی عظمت و رفعت کا یہ حال ہے کہ غیر بھی حیرت و استعجاب میں آکر، انگشتِ بدنداں ہیں۔

حدیث شریف میں لفظ ”آیۃ“ کو نکرہ ذکر کیا گیا ہے، جس کا فائدہ یہ ہے کہ میری کوئی بھی بات لوگوں تک پہنچانے میں دریغ نہ کرو پوری حدیث، اگر یاد نہ ہو تو کم از کم موقعہ اور محل کے مناسبت سے اس کا کوئی مفید جملہ ہی لوگوں کے سامنے بیان کر دو، گویا اس اعتبار سے آپ ﷺ نے اس بات کی طرف متوجہ کیا ہے کہ علم کو پھیلانے اور دین کی روشنی سے جہالت و گمراہی کی

تاریکیاں دور کرنے میں، جو شخص جتنی جدوجہد اور محنت و مشقت اٹھا سکتا ہے، اس سے پیچھے نہ ہٹے، کیوں کہ آپ ﷺ کے فرمان ”بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً“ کا منشا اور مقتضی یہی ہے۔ ”وَحَدِّثُوا عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا حَرَجَ“ کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے تاریخی واقعات اور ان کی ترقی و تنزلی کے اسباب و وجوہات کو عبرت و بصیرت حاصل کرنے کے لیے، لوگوں کے سامنے بیان کیا جاسکتا ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن جہاں تک ان کے مذہبی عقائد و احکام کا تعلق ہے، تو ان کو نقل کرنا اور دوسروں تک پہنچانا قطعاً ممنوع ہے، کیوں کہ تمام شرائع نبی کریم ﷺ کی شریعتِ مطہرہ کے آنے کے بعد ہمیشہ کے لیے منسوخ اور کالعدم ہو چکی ہیں۔ لہذا اب شریعتِ محمدی کے علاوہ کسی بھی شریعت و مذہب کی نشر و اشاعت، ہرگز ہرگز روا نہیں ہو سکتی۔

”مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا الْخ“ یہ جملہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے جھوٹی حدیث گڑھنے کی سخت ترین ممانعت اور اس برائی کا ارتکاب کرنے والے کے حق میں نہایت ہی سخت زجر و توبیخ کے طور پر وارد ہوا ہے اور اگر دیکھا جائے، تو درحقیقت یہ بہت ہی خطرناک وارننگ ہے، ان لوگوں کے لیے، جو اپنے اغراض و مقاصد اور آرزوؤں کی تکمیل کے لیے، احادیث گھڑ کر لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں، یا جانتے ہوئے بھی لوگوں میں اپنا اثر و رسوخ، یا اپنے بیان و تقریر کا لوہا منوانے کے لیے موضوع احادیث سناتے پھرتے ہیں، تو ایسے جاہل مقررین اور علماءِ سوء کو عذابِ جہنم کی گرفت میں آنے کے لیے تیار رہنا چاہیے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی طرف جھوٹی حدیث کو

منسوب کرنا، متفقہ طور پر تمام علما کے نزدیک حرام اور کبیرہ گناہ ہے، بل کہ امام محمد جوینیؒ نے فرمایا ہے کہ جو شخص موضوع حدیث بیان کرے، وہ کافر ہے، اس لیے کہ اس سے شریعت کی اہانت اور کمزوری لازم آتی ہے۔ یہاں پر یہ بات واضح رہے کہ اگر کوئی شخص کسی راوی یا کتاب سے کوئی موضوع حدیث لا علمی کی وجہ سے نقل کرتا ہے، تو وہ اس وعید میں داخل نہیں ہوگا۔

### علم سے فائدہ نہ اٹھانے والے کا انجام

﴿۳۷﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَالِمٌ لَمْ يَنْفَعَهُ عِلْمُهُ. (رواہ الطیالسی فی سننہ و سعید بن منصور فی سننہ و ابن عدی فی الکامل و البیہقی فی شعب الایمان، بحوالہ معارف الحدیث)۔

﴿ترجمہ﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب اس عالم کو ہوگا، جس کو اس کے علم دین نے نفع نہیں پہنچایا؛ یعنی اس نے اپنی عملی زندگی کو علم کے تابع نہیں بنایا۔ (مسند ابو داؤد و طیالسی سنن سعید بن منصور کامل بن عدی شعب الایمان للبیہقی)

﴿تشریح﴾ بعض گناہ ایسے ہیں، جن کو بلا تفریق مؤمن و کافر سب ہی انسان شدید و سنگین جرم سمجھتے ہیں، مثلاً ڈاکہ زنی، خون ناحق، زنا، بالجبر، چوری، رشوت ستانی، کمزور و ناتواں پر ظلم و زیادتی، لوگوں کی حق تلفی اور اس طرح کے دیگر بے شمار ظالمانہ گناہ، لیکن بہت سے گناہ ایسے ہیں، جن کی



ہلاکت خیزی اور سنگینی کو عام انسانی نگاہ محسوس نہیں کرتی، حالاں کہ وہ گناہ بھی دوسرے کبائر و فواحش کی طرح خطرناک اور سزا کے مستوجب ہیں، یا ان سے بھی زیادہ شدت و قباحت اپنے اندر لیے ہوئے ہیں، جیسے علم دین کی تحصیل دنیوی اغراض اور مقاصد کے لیے یا علم دین سیکھ کر عملی زندگی کو اس کے تابع نہ بنانا، اس کے برخلاف زندگی گزارنا یہ ایسے گناہ ہیں، جو درحقیقت اللہ کے نزدیک سخت بدترین عذاب کے سبب ہیں، کیوں کہ اس قسم کے گناہوں میں اللہ اور رسول کی ہدایت و شریعت اور مقدس دینی علوم کی حق تلفی و پامالی اور ایک طرح کا ان پر ظلم عظیم ہوتا ہے، جس کی سنگینی اور شدت کو اللہ کے وہی بندے محسوس کر سکتے ہیں، جن کے قلوب دین و شریعت اور ان کے علوم کی عظمت سے آشنا ہوں گے۔

اسی لیے مذکورہ حدیث میں ایسے عالم کو قیامت کے دن لوگوں میں سخت ترین عذاب کا مستحق گردانا گیا ہے، جسے اس کے علم نے فائدہ سے محروم رکھا اور اسی مفہوم کی ایک حدیث حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے، جس کے اندر آپ نے فرمایا ہے کہ روز قیامت اللہ کے نزدیک سب سے بدترین مرتبہ کا حامل وہ شخص ہوگا، جس نے اپنے علم سے فائدہ نہ اٹھایا ہوگا۔ (دارمی بحوالہ مشکوٰۃ) اس سے معلوم ہوا کہ ہر چیز کی کچھ نہ کچھ غرض و غایت ہوتی ہے، جس کے تحت انسان اس کے حصول کی سعی و کوشش کرتا ہے اور علم دین لازوال نعمت ہے، جو اپنے اندر ایک اہم مقصد لیے ہوئے ہے اور وہ مقصد یہ ہے کہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے اور علم کی افادیت یہی ہے کہ اس پر

عمل کیا جائے۔ دین کے مامورات و منہیات پر صحیح طریقہ سے کار بند رہا جائے، کیوں کہ عمل علم کی روح ہے، جس طرح جسم بغیر روح کے بیکارشی کے مانند ہے، اسی طرح وہ علم جو عمل کی آمیزش سے خالی ہے، اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عمل کے مفقود ہونے کی صورت میں عالم کی سزا بھی سخت ترین وارد ہوئی ہے، بل کہ بے عمل عالم قیامت کے دن جاہل کے عذاب سے سخت عذاب کا مستحق ہوگا، جیسا کہ منقول ہے 'وَيْلٌ لِلْجَاهِلِ مَرَّةً وَوَيْلٌ لِلْعَالِمِ سَبْعَ مَرَّاتٍ' کہ جاہل پر ایک بار افسوس اور عالم پر سات بار افسوس ہے۔

یہاں پر علم سے فائدہ نہ اٹھانے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اگر کسی شخص نے ایسے علم کے حصول میں زندگی صرف کی، جو کسی بھی طرح کا اخروی فائدہ نہیں پہنچا سکتا، بل کہ وہ علم دین و شریعت کے خلاف اور تصادم کا حامل ہے، تو وہ علم بھی مفید اور کارآمد تصور نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا ایسے علم کو حاصل کرنے والا شخص بھی قیامت کے دن حدیث کے اندر مذکورہ سزا کا مستوجب قرار پائے گا۔ اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ ان لوگوں کو جو صرف دنیاوی اغراض و مقاصد کو پیش نظر رکھ کر اپنے بچوں کو ان اسکولوں اور کالجوں کے حوالے کر دیتے ہیں، جس کے اندر اسلامی تعلیم و تربیت بالکل ناپید رہتی ہے، بل کہ اب تو بعض ادارے ایسے وجود پذیر ہو گئے ہیں کہ ان کے اندر مذہبی امور سے متعلق گفتگو تک کرنا ممنوع ہے اور افسوس کہ ان اداروں میں ہمارے مسلم بچے بھی حصول تعلیم کے لئے جاتے ہیں، جس کے نتیجے میں ایسے

بچے لادینیت اور دہریت کا شکار ہو کر دین و ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ اللہ تمام مسلمانوں کو ایسے اداروں سے دور رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین!)  
 حدیث سن کر دوسروں تک پہنچانے والے کے حق میں  
 آپ ﷺ کی دعا

﴿۳۸﴾ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ نَصَرَ اللَّهُ إِمْرَأً سَمِعَ مِنَّا شَيْئاً فَلَبَّغَهُ كَمَا سَمِعَهُ فَرُبَّ مُبْلَغٍ أَوْعَىٰ لَهُ مِنْ سَامِعٍ. (رواہ الترمذی و ابن ماجہ و رواہ الدارمی عن ابی الدرداء مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے، جس نے ہم سے کچھ سنا اور پھر اسے جیسا سنا تھا، ویسا ہی دوسروں تک پہنچا دیا، کیوں کہ بہت سے جنھیں پہنچایا جاتا ہے، سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں۔ (ترمذی ابن ماجہ اور دارمی نے حضرت ابو درداء کے حوالہ سے اس حدیث کو نقل فرمایا ہے۔)

﴿تشریح﴾ اس حدیث کے اندر آپ ﷺ احادیث نبوی ﷺ کو یاد رکھ کر، اس کی تبلیغ و ترویج اور اشاعت و تشہیر کرنے والوں کو مژدہ جانفزا سنا رہے ہیں کہ اللہ ایسے شخص کو تروتازہ اور خوش و خرم رکھے، جس نے میرے کلام کو جیسا سنا، ویسا ہی دوسروں تک منتقل کر دیا، چناں چہ اس بیش بہا قیمتی دعا

کی برکت سے دیکھا گیا ہے کہ عموماً، جو حضرات احادیثِ نبویہ ﷺ کی تحصیل و تعلیم، اشاعت و ترویج اور درس و تدریس وغیرہ میں مشغول رہتے ہیں، وہ ہمیشہ شاداں و فرحاں اور قدر و منزلت کے اعتبار سے اس دنیوی زندگی میں بڑی اہمیت و فوقیت کے حامل ہوتے ہیں۔ اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایسے لوگوں کو جنت میں کتنی اہم اور قابلِ رشک نعمتوں سے نوازا جائے گا، نبی کریم ﷺ کی اس بابرکت دعا میں آپ ﷺ کی حدیث سننے والے اسے نقل کرنے والے، حفظ کرنے والے یہ تمام ہی حضرات شامل ہیں، بل کہ اگر کچھ توسع سے کام لیا جائے، تو وہ سارے لوگ اس دعا کے مصداق بن جائیں گے، جو کسی بھی نوعیت سے احادیثِ نبویہ ﷺ کی خدمت میں مشغول ہیں اور یہ بات بھی مسلم ہے کہ جن کے حق میں زبانِ رسالت دعا گو ہو، وہ دنیوی اور اخروی ہر اعتبار سے سعادت مند ہیں۔

مذکورہ حدیث میں آپ ﷺ نے حدیث سن کر، دوسروں تک پہنچانے کی حکمت کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ جس کو حدیث پہنچائی جائے وہ پہنچانے والے سے زیادہ یاد رکھنے والا ہوگا، بل کہ اسی طرح کی حدیث میں آپ ﷺ کے یہ الفاظ منقول ہیں ”فَرُبَّ حَامِلٍ فِقْهٍ غَيْرُ فَقِيْهِ وَرُبَّ حَامِلٍ فِقْهٍ اِلٰی مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ“ جس کا مطلب یہ ہے کہ بعض دفعہ حاملِ فقہ؛ یعنی حدیث کو جاننے اور سننے والا اس کے معانی و مطالب اسرار و معارف اور اس سے ثابت شدہ احکام و مسائل تک پہنچنے کی استعداد و صلاحیت نہیں رکھتا ہے، جب کہ شریعت کا منشا الفاظِ حدیث کے ساتھ اس کے

اندر موجود احکام و مسائل وغیرہ کی ترویج و اشاعت بھی ہے۔

اگر اس حدیث کو دوسروں تک پہنچا دیا جائے گا، تو ان میں جو لوگ فقیہ ہوں گے وہ اپنی دینی تفقہ کی وجہ سے اس حدیث کے اندر موجود مسائل کا استنباط و استخراج کر کے دیگر افراد امت کو روشناس کرائیں گے۔ دراصل آپ ﷺ نے اسی کی ترغیب دی ہے اور امت کی توجہ اسی حکمت کی طرف مبذول کرائی ہے، لیکن یہاں پر یہ بھی ذہن نشین رہنا چاہیے کہ آپ ﷺ کی دعا کے اندر دونوں شامل رہیں گے؛ یعنی حدیث سن کر پہنچانے والا بھی اور اس سے مسائل وغیرہ استنباط کرنے والا بھی، اسی طرح اگر کوئی شخص حدیث سننے کے ساتھ ساتھ اس کے معانی و مطالب کو بھی سمجھتا ہے اور اپنی فہم و فراست کی حد تک اس سے کوئی مسئلہ بھی نکال لیتا ہے، تو ایسے شخص کو بھی وہ حدیث دوسروں تک پہنچا دینا چاہیے، کیوں کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ”رَبَّ حَامِلٍ فَقَّهِ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ“ اسی کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور قرآن کریم کے اس اعلان ”فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ“ سے بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ علم و ادراک اور احکام و مسائل کے استنباط و استخراج کے اعتبار سے لوگوں کی صلاحیتیں مختلف ہوتی ہیں اور ہر شخص اپنی صلاحیت اور علم و دانش کے مطابق ہی مسائل تک رسائی حاصل کرتا ہے۔

لہذا فقیہ کو بھی حدیث دوسرے تک پہنچانے سے گریز نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ بہت ممکن ہے کہ اس کے مقابلے میں دوسرا شخص فقہی بصیرت اور فہم و ادراک میں فوقیت رکھتا ہو، یہاں پر یہ بات بھی واضح رہنا چاہیے کہ حدیث

کے الفاظ ”نَضَرَ اللَّهُ امراً سمع مناشئاً“ کے ضمن میں صحابہ کرامؓ کے اقوال و افعال بھی داخل ہیں۔ لہذا اگر کوئی انسان اقوال صحابہ کو سن کر دوسروں تک پہنچاتا ہے، تو وہ بھی اجر کا مستحق قرار پائے گا کیوں کہ آپ ﷺ کے قول میں ”مَنْ“ کو جمع لایا گیا ہے، جو اس بات کو اجاگر کرتا ہے کہ اصحاب رسول ﷺ کے اقوال و افعال بھی مذکورہ حدیث کے مفہوم میں داخل ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ فرمان رسول ﷺ کی طرح اصحاب رسول ﷺ کے اقوال و افعال بھی ہمارے لیے لائق تقلید اور قابلِ نشر و اشاعت ہیں، چنانچہ ان کی ترویج و تبلیغ کرنے والے حضرات بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش خبری کا مصداق قرار پائیں گے۔

## قرآن کریم میں جھگڑنا کفر ہے

﴿۳۹﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ الْمِرَاءُ فِي الْقُرْآنِ كُفْرٌ. (رواہ احمد و ابوداؤد، مشکوٰۃ)

﴿ترجمہ﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرآن کریم میں جھگڑنا کفر ہے۔ (احمد، ابوداؤد، مشکوٰۃ)

﴿تشریح﴾ قرآن کریم میں جھگڑنے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے ذاتی افکار و خیالات اور اپنے ذہنی رجحانات و تصورات کو کلام اللہ سے ثابت کرنے کی خاطر یا اپنی بد فہمی کے تحت آیات قرآنی میں معنی و مفہوم کا باہمی تضاد پیدا کر کے کسی آیت کی مراد کو کسی دوسری آیت سے جھٹلانے کی

کوشش کرے یا قرآنی آیتوں کے سلسلے میں اپنی رائے پر اس درجہ اعتماد و ثوق کر لے کہ اس کے خلاف دوسرے کی بیان کردہ تفاسیر کو غلطی پر محمول کرے اور اپنے معنی و مفہوم کی تصحیح و تائید میں غلط اور مردود تاویلاتِ فاسدہ کا سہارا لے کر ناقابلِ التفات دلائل کو پیش کرے، تو ایسا شخص قرآن کریم کے معاملے میں نہایت ہی سنگین جرم کا مرتکب ہے، اسی وجہ سے حدیث میں اس کو کفر فرمایا گیا ہے، کیوں کہ ایسا کرنے میں کلامِ الہی کے ساتھ کھلواڑ اور اپنے قلبی رجحانات و نظریات اور ذہنی افکار و خیالات کے سلسلے میں اصرار پایا جاتا ہے، جس کا لازمی نتیجہ کفر ہی ہے۔

لہذا ہر اس شخص کو جو اللہ اور اللہ کی کتاب اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہو، اس کو اس طرح کے سنگین اور ناقابلِ معافی جرم کا ارتکاب کرنے سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے اور صرف یہ کوشش کرنی چاہیے کہ آیاتِ قرآنی میں مفہوم و مراد کی باہمی موافقت و مطابقت ہر حال میں برقرار رہے اور اس میں اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کو ثابت کرنے کے لیے کسی بھی ایسے خارجی نظریات و خیالات کا دخل نہیں ہونا چاہیے، جو رسول اللہ ﷺ، صحابہ و تابعین اور بزرگانِ سلف کے ان تفسیری ارشادات و اقوال سے متصادم ہو، جو تواتر و تسلسل کے ساتھ ثابت ہیں ہاں اگر کسی آیت میں کسی دوسری آیت کے ساتھ عدم مطابقت معلوم ہو، جیسا کہ قرآن کریم میں مختلف جگہیں اور متعدد مقامات ایسے ہیں کہ ان کے مابین بظاہر تعارض و تضاد نظر آتا ہے، تو ان کے درمیان توافق پیدا کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ اور اسی

طرح سلفِ صالحین میں ان مفسرین کی تفسیروں کی طرف رجوع کرنا چاہیے، جو اس میدان میں پید طولی رکھتے ہیں اور انھیں کے بیان کئے ہوئے تفسیری ارشادات و منقولات کی روشنی میں متعارض آیتوں کے مفہوم کو سمجھنے کی سعی کرنی چاہیے اور اپنی فہم و بصیرت کے اعتبار سے مطابقت و موافقت پیدا کرنے کے لیے پوری توجہ صرف کرنی چاہیے، اس کے باوجود بھی دفعِ تعارض نہ ہو سکے اور آیتوں کے درمیان مطابقت و موافقت سمجھ میں نہ آئے، تو اپنی ہی کج فہمی اور کم علمی کو قصور وار ٹھہرائے اور اس کا علم اللہ اور اس کے رسول کے حوالے کر دے۔ اپنے افکار و خیالات کے مطابق غلط تاویل و تفسیر ہرگز نہ کرے، کیوں کہ یہ ایک ایسا مہلک مرض ہے، جو انسان کو راہِ راست سے منحرف کر دیتا ہے۔

فرق باطلہ کے عقائد و نظریات کا جب جائزہ لیا جاتا ہے، تو یہی بات منکشف ہو کر سامنے آتی ہے کہ وہ لوگ قرآنی آیات کی توضیح و تشریحات میں غلط نظریات اور من مانی تاویلات و توجیہات میں مبتلا ہو گئے تھے، جس کے باعث یہ لوگ راہِ راست سے منحرف قرار پائے یہاں پر بطور نمونہ ایک مثال پیش کی جا رہی ہے۔ اہل سنت و الجماعت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ بندوں سے اعمالِ صالحہ اور اعمالِ سیئہ دونوں کا صدور و ظہور تقدیرِ الہی کے تحت ہوتا ہے اس کی دلیل قرآن پاک کی یہ آیت ہے۔ ”قُلْ كُلُّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ“ (کہہ دو کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے) یہ ایک ایسا عقیدہ ہے، جس کا حق ہونا ثابت ہے، لیکن فرقہ قدریہ کے لوگ اس عقیدے کی تکذیب اس



آیت کے ذریعہ کرتے ہیں، ”مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ“ (نیکی و بھلائی کی قسم سے جو چیز تمہیں پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور بدی و برائی کی قسم سے جو چیز تمہیں پہنچتی ہے وہ تمہارے نفس کی طرف سے ہے) اس آیت کو لے کر قدر یہ نے اس عقیدہ کو ثابت کیا کہ اعمالِ صالح کا صدور تو تقدیرِ الہی اور منِ جانب اللہ ہے، لیکن اعمالِ سیئہ کے صدور میں تقدیرِ الہی کو دخل نہیں ہے۔ اس طرح سے ان حضرات نے تعارض پیدا کر کے ”قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ“ کے ذریعے ثابت شدہ متفق علیہ عقیدہ کو باطل قرار دینے کی کوشش کی ہے، حالاں کہ ایسی آیتوں کے بارے میں، جو بظاہر ایک دوسرے سے عدمِ مطابقت رکھتی ہیں واضح حکم یہی ہے کہ اس آیت پر عمل کیا جائے، جس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے اور دوسری آیت کو تاویل کے ذریعے موافق بنانے کی کوشش کی جائے بایں طور کہ دوسری آیت کے بارے میں کہا جائے کہ اس کا تعلق اپنے ماقبل سے ہے، جہاں منافقوں کی برائی بیان کی گئی ہے اور یہاں پر اس آیت کے ذریعے انھیں منافقوں کی بدعقیدگی کو ظاہر کرنا ہے، گویا یہ آیت اس بات کو بیان کر رہی ہے کہ ان منافقوں کی عقل پر کیسے پتھر پڑ گئے ہیں کہ صحیح اور حق بات کو سمجھتے ہی نہیں اور یوں کہتے ہیں کہ نیکی اور بھلائی کی قبیل سے ظاہر ہونے والی چیزیں اللہ کی طرف سے ہے اور برائی و بدی کی قبیل سے صادر ہونے والی چیزیں اپنے نفس کی طرف سے ہے، ایسی تو جیہہ و تاویل کی صورت میں ”المرء فی القرآن“ بھی لازم نہیں آئے گا اور مسلمانوں کے اجماعی عقیدہ پر کو

نی زد بھی نہیں آئے گی لہذا ہر ایسے مقام پر یہی صورت اختیار کرنی چاہیے، محض اپنی عقل و رائے پر اعتماد کر کے بے راہ روی اور گمراہی کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔

## واعظ و ناصح کے لیے اہم ہدایت

﴿۴۰﴾ عَنْ شَقِيقٍ قَالَ: كَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ

يُذَكِّرُ النَّاسَ فِي كُلِّ خَمْسٍ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ لَوِ دِدْتُ أَنَّكَ ذَكَّرْتَنَا فِي كُلِّ يَوْمٍ قَالَ أَمَا إِنَّهُ يَمْنَعُنِي مِنْ ذَلِكَ أَنِّي أَكْرَهُ أَنْ أُمْلِكُكُمْ وَأَنِّي أَتَخَوَّلُكُمْ بِالْمَوْعِظَةِ كَمَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَتَخَوَّلُنَا بِهَا مَخَافَةَ السَّامَةِ عَلَيْنَا. (متفق عليه، مشكوة)

﴿ترجمہ﴾ حضرت شقیق (تابعی) سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں

کہ عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کو لوگوں کے سامنے وعظ و نصیحت کیا کرتے تھے (ایک دن) کسی نے ان سے (ان کی کنیت کے ذریعے مخاطب کر کے) کہا اے ابو عبد الرحمن رضی اللہ عنہ میں تو چاہتا ہوں کہ آپ ہمیں روز آ نہ پند و نصائح سے مستفید فرمائیں۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا: تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اس سلسلے میں، جو چیز میرے لیے مانع ہے، وہ یہ ہے کہ (روز آ نہ کے وعظ و بیان کے ذریعے) تم لوگوں کو تنگی اور اکتاہٹ میں ڈالنا مجھے پسند نہیں ہے، میں تو نصیحت کرنے میں تمہارے واسطے موقع اور وقت کی رعایت کرتا ہوں، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری تنگی اور اکتاہٹ کے خدشے کا لحاظ کرتے ہوئے، ہمیں نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

﴿تشریح﴾ مذکورہ حدیث شریف میں وعظ و نصیحت سے متعلق ایک اہم نکتے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور خطابت و بیان کو مؤثر بنانے کے لیے بہت ہی قیمتی ہدایت دی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ واعظیں و مبلغین اور اہل علم حضرات کو سامعین کی رعایت کرتے ہوئے، وعظ و نصیحت کرنی چاہیے ہمہ وقت اور ہر روز تقریر و بیان سے احتراز کرنا چاہیے، اس لیے کہ کلام خواہ کتنا ہی بیش قیمتی کیوں نہ ہو اور اس میں کتنا ہی مٹھاس اور شیرینی کیوں نہ پائی جائے، اس وقت تک مؤثر اور مفید نہیں ہو سکتا، جب تک کہ سامعین کی تمام تر توجہات اس کی طرف مبذول نہ ہو جائیں، کیوں کہ کلام کی سحر انگیزی اسی وقت ظاہر ہوتی ہے، جب مخاطبین پورے نشاط و انہماک اور دلجمعی کے ساتھ اس کو سماعت بھی کریں۔

لیکن جب ہر روز تقاریر و بیانات ہوں گے اور وقفہ وقفہ سے عوامی طبیعت کی رعایت کئے بغیر، وعظ و نصیحت کی مجالس کا انعقاد ہوگا، تو گرچہ فی نفسہ کلام کی عظمت اپنی جگہ باقی رہے گی، لیکن سامعین کو اس سے اکتاہٹ اور گرائی محسوس ہوگی، جس کے نتیجے میں قرآن و حدیث کے اوپر مشتمل وعظ و بیان کی اہمیت و فضیلت عوام کے قلوب و اذہان سے نکل جائے گی اور ایسی کیفیت کا پیدا ہو جانا، قرآن و حدیث کی توہین و بے ادبی کو مستلزم ہے، اسی خوف کے پیش نظر عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ لوگوں کی رعایت کرتے ہوئے ہفتے میں صرف ایک دن یعنی جمعرات کو وعظ و نصیحت کرتے تھے، جس کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوتا تھا کہ لوگوں کو جمعرات کی آمد کا شدت سے انتظار رہتا تھا،

جیسا کہ حدیث کے الفاظ ”لَوَدِدْتُ اَنَّكَ ذَكَرْتَنَا كُلَّ يَوْمٍ“ سے ان لوگوں کی بے چینی اور تحصیلِ علم کے ذوق و شوق کا پورا پورا اندازہ ہو رہا ہے کہ انھیں علم اور وعظ و نصیحت کی کس قدر چاہت و طلب تھی، مگر اس کے باوجود بھی عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنا معمول نہیں بدلا، بل کہ ان حضرات کی مخلصانہ خواہش کا احترام کرتے ہوئے، روزانہ وعظ و نصیحت نہ کرنے کی معقول وجہ بھی بتلائی اور اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل بھی یاد دلایا کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم جملہ امور میں ہماری رعایت فرماتے تھے، اسی طرح وعظ و تقریر میں بھی ہمارا خیال فرماتے تھے، تاکہ ہمیں تنگی اور اکتاہٹ محسوس نہ ہو۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر و نصیحت نہ اتنی طویل و عریض ہوتی کہ لوگ پریشان ہو کر کھسکنا شروع کر دیں اور نہ ہی روز بروز ہوتی کہ لوگ مجلس میں آنا ہی ترک کر دیں، بل کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وعظ و نصیحت کے لیے موقع کی تلاش و جستجو فرماتے اور لوگوں کے نشاط و آمادگی کا لحاظ کرتے ہوئے، نہایت ہی شفقت و محبت اور نرم خوئی کے انداز میں خطاب فرماتے تھے اور ایسے اوصاف کا حامل خطاب یقینی طور پر حد سے زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔

اس لیے تمام مقررین و واعظین اور خطباء کا یہ فرض ہے کہ اپنے بیانات و مواعظ میں سامعین کی رعایت اور موقع محل کا خیال رکھیں اور ان کے طبعی تقاضوں اور مزاج سے واقف ہوں، ورنہ وعظ و نصیحت اپنا اثر کھودیں گے، کیوں کہ اسلام کی ایک عظیم شان یہ بھی ہے کہ وہ مزاج شناس ہے۔ سماج و معاشرہ کے حالات اور قوم و افراد کی سہولت و راحت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہی

کسی چیز کا حکم دیتا ہے اور ظاہری بات ہے کہ ہر روز وعظ و تقریر کرنا عوامی مزاج کے خلاف ہے، ایسی صورت میں کلام کی افادیت اور اثر و رسوخ کا قائم رہنا بہت ہی مشکل ہے۔

واضح رہے کہ یہ حکم وعظ و نصیحت کے لیے ہے، ورنہ جہاں تک تعلیم و تعلم کا مسئلہ ہے تو اس کی نوعیت الگ ہے، کیوں کہ ایسا شخص اسی کے لیے اپنے اوقات کو فارغ کئے ہوئے ہے۔ لہذا تعلیم و تعلم سے وابستہ افراد کا زیادہ سے زیادہ وقت اسی کام میں صرف ہونا چاہیے، اگر ایسا شخص وعظ و نصیحت پر قیاس کرتے ہوئے تعلیمی امور میں کبھی کبھی مشغول ہوتا ہے، یا مدارس کے طلبہ و اساتذہ ہفتے میں کچھ ہی دن درس و تدریس کی مجلس منعقد کرتے ہیں، تو قطعاً غلط ہوگا، کیوں کہ ایسی صورت میں اوقات کو فارغ کرنے کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔

چنانچہ اس سلسلے میں اصحابِ صفہ کی نظیر ہمارے لیے بہترین نمونہ پیش کر رہی ہے، جو تعلیم و تعلم کی غرض سے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آکر پڑ گئے تھے اور اسی مقصد کے حصول کے لیے انھوں نے اپنی پوری زندگی وقف کر دی تھی۔ لہذا آپ ان کو نصیحت بھی کرتے تھے، علم کی باتیں بھی بکثرت بتاتے تھے اور خود وہ لوگ نبی کریم ﷺ کے عادات و اخلاق اور دینی و دنیاوی امور میں مشاہدہ بھی کرتے رہتے تھے اور ان سے علم بھی حاصل کرتے تھے۔ معلوم ہوا کہ حدیث کے اندر حکم

مذکور تعلیم و تعلم کے لیے نہیں ہے، بل کہ صرف وعظ و نصیحت کے لیے ہے۔

صادق قاسمی خیر آبادی

مدرس جامعہ حقانیہ اسلامیہ کٹھور، سورت گجرات

۳۰/ ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ

بروز جمعہ، بوقت ساڑھے نو بجے دن



Contact For This Book  
Maktaba Yusufiyah  
Jamiayah Haqqaniyay Islamiyah  
At & Post. Kathor, Dist. Surat  
Gujarat India